ایک چادر میلی سی

راجندر سنگھ بیدی

ناول

ایک چادر میلی سی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ ناشر یا مصنف کی پیشگی اجازت کے بغیر نقل یا ترجمہ کرنے کی اجازت نہیں ماسوائے تبصرہ یا حوالہ جس کے ساتھ مصنف اور پبلشرز۔ کتاب کا نام اور صفحہ نمبر تحریر کرنا ضروری ہے۔

نام کتاب	:	ایک چادر میلی سی
ناشر	:	محمد رفیق چودھری
کمپوزنگ	:	لیزر کمپوزنگ ان
مطبع	:	المطبعة العربیہ لاہور
سن اشاعت	:	مارچ 2000ء
قیمت	:	=/60روپے

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

ایک چادر میلی سی

(راجندر سنگھ بیدی)

وحید بک سنٹر

سٹار سائنس مارکیٹ، تکیہ املی والا، آبکاری روڈ لاہور

آج شام سورج کی ٹکیہ بہت ہی لال تھی ۔ آج آسمان کے کوٹلے میں کسی بے گناہ کا قتل ہو گیا تھا اور اس کے خون کے چھینٹے نیچے بکائن پر پڑتے ہوئے نیچے تلوکے کے صحن میں ٹپک رہے تھے ۔ ٹوٹی پھوٹی کچی دیوار کے پاس ' جہاں گھر کے لوگ کوڑا پھینکتے تھے ' ڈبو منہ اٹھا اٹھا کر رو رہا تھا ۔

دوپہر کے قریب بڑی ڈیل کے کارندے جب کتوں کو گولی ڈالنے کے لئے آئے تو ڈبو بچ گیا ۔ وہ تلوکے کے ہاں کے کیس صحن میں پڑی گھڑونچی کے نیچے سو رہا تھا ' اوپر ملتانی مٹی کے گھڑے رس رہے تھے اور نیچے کچی زمین کو ٹھنڈا اور خوش بو دار بنا رہے تھے ' اور ڈبو اس ٹھنڈک اور بو باس سے پورا فائدہ اٹھا رہا تھا ۔ تھوڑی دیر میں وہ اٹھ کر اکڑا ' منہ کھول کر جماہی لی اور پھر باہر چلا آیا ۔ جب تک اس کی چہیتی کتیا بوڑی کی آنکھیں کانچ ہو چکی تھیں۔ بوڑی کے پاس پہنچ کر ڈبو نے اسے ایک دو بار سونگھا اور پھر اچانک ایک سمت چل دیا ' جیسے کوئی بات ہی نہیں ۔ تلوکے کی بیوی رانو اور اس کی پڑوسن چنوں ' ایک دوسری کا منہ تکنے لگیں ۔ چنوں نے اپنی کوکے والی ناک پر انگلی دھری ' پھر ایک لمبی سانس بھری اور بولی :

"ہا ! مرد کی جات سب ایک ہی سی ہوتی ہے ۔"

رانو کی ظلافی آنکھیں پھڑپھڑا رہی تھیں ' جیسے کوئی کپڑے کو دھو بنا کر چھنڈ رہا ہو ۔ پھر کچھ سنبھلتے کر آنکھیں پونچھتے ہوئے رانو نے چنوں کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی :

"اسنے ! تیرا ڈبو تو ایسا نہیں ؟ "

اس پر چنوں نے رانو کو ایک مردوں والی گالی دی جس سے وہ خود ہی شرما کر اپنے گھر کی طرف بھاگ گئی ۔ رانو بھی اندر پہنچ کر کام کاج میں جا لگی ۔ شام کے وقت جب وہ رات کی آہ اور دن کی واہ کا کوڑا پھینکنے کے لئے باہر آئی تو دوپہر کے سارے واقعات بھول چکی تھی ۔ جس ہاتھ سے اس نے کوڑا پھینکا اسی سے جھاڑو جھنڈتے ہوئے وہ منہ اٹھا اٹھا کر رونے والے ڈبو کو بھگانے لگی :

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

"ہات ! ہات مردے ! یہاں دھرا ہی کیا ہے تیرے رونے کو ؟ رونا ہی ہے تو جا سامنے چوہدریوں کے گھر جا کر رو ' جہاں دولت کے ڈھیر ہیں ' مردوں کی لام لگی ہوئی ہے ۔"

چوہدری مہربان داس کے ساتھ رانی کو خدا واسطے کا بیر تھا ۔ شاید اس لئے کہ تلوکے ' رانی کے گھر والے کو بدمعاشی کی لت مہربان داس کے ہاتھوں لگی تھی ۔ پھر گاؤں کی عورتوں کی عجیب بات ۔ اپنے مرد کا کچھ پتا نہیں ' دوسروں کے مردوں کا کھایا پیا سب معلوم۔ رانو اپنے تلوکے کے بارے میں جب نواب اکے والے یا گورداس کی بیوی سے سنتی تو جل بھن کر راکھ ہو جاتی ۔ شاید راکھ نہیں کوئلہ ! کیونکہ اندر سے رانو بہت کچی تھی ۔ تلوکا گھر لوٹتا تو وہ اس سے لڑتی ' اسے نوچتی کاٹتی اور پھر خود ہی مار کھاتی ہوئی ایک طرف جا بیٹھتی اور سوچتی : "ایک طرح سے اچھا ہی ہے جو باہر ہی غصہ نکال آتا ہے اپنا — میرے جی کا جنجال تو نہیں ہوتا ۔ "

ان ' صرف ان باتوں سے رانو کو تلوکے کے مرد ہونے کا پتہ چلتا اور وہ ایک ضد کے ساتھ اسے اپنا بنانے کی کوششوں میں لگ جاتی ۔ کوششیں کیا ؟ لنڈے پیپل کے نیچے ایک سائیں بابا تھا — جتی ستی ! جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے لوہے کا لنگوٹ پہن رکھا ہے اور اب تک نہیں جانتا کہ عورت کیا چیز ہے ؟ حالانکہ چوبیس گھنٹے ' آٹھوں پہر اس کے گرد عورتوں ہی کا جمگھٹا رہتا — کوئی بیٹا مانگتی ' کوئی اٹھرا کی دوائی ۔ اکثر تو اپنے مردوں کو بس میں کرنے کے ٹوٹکے ہی پوچھنے آتیں ۔ ابھی کچھ ہی مہینے ہوئے اس نے پورن دئی مہرانی کو ٹوٹکا دیا جس سے نہ صرف وہ پیٹ والی ہو گئی بلکہ گیان چند ' اس کا مرد ' پاگلوں کی طرح اس کے ارد گرد چکر کاٹنے لگا ۔ رانو بھی تلوکے کی مار سے بچنے کے لئے باوا ہری داس سے ایک ٹوٹکا لے آئی اور اس تاک میں لگ گئی کہ کب تلوکا کچا دودھ مانگے اور وہ ٹونے کو اس میں گھول کر پلا دے اور پھر پاس نہ آنے دے ۔ ہاں ' جب منتیں کرے ' پاؤں پڑے ' ناک رگڑے — تب ! لیکن بختوں تلوکے نے کچا دودھ مانگا نہ پیا ۔

تلوکا روز نہیں تو دوسرے تیسرے روز مٹھے مالٹے کی ایک بوتل چوہدری مہربان داس کے ہاں سے لے آتا تھا ۔ رانو دنیا بھر کے عیبوں کو معاف کر سکتی تھی لیکن شراب کو نہیں۔ وہ سمجھتی تھی شراب ایسی سوت نہیں ۔ دنیا میں مرد چاہے اپنا سب کچھ کسی دوسری پر لٹا آئے پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ تو اپنے لئے بچ ہی رہتا ہے ' لیکن شراب ؟ ماں ری

ماں ! اس سے تو اتنی بو آتی ہے کہ انسان منہ بھی قریب نہیں کر سکتا۔ یوں معلوم ہونے لگتا ہے جیسے اپنا تو کچھ بھی نہیں رہا' سب ہی کچھ لٹ گیا۔ نکوکا دن بھر نواب' اسماعیل' گورداس وغیرہ کے ساتھ اکا ہانکتا لیکن شام کے وقت نصیبوں والے اڈے پر جا کر اس تاک میں کھڑا ہو جاتا کہ کوئی بھولی بھٹکی سواری مل جائے اور وہ اسے اچھے کھانے' نرم اور گرم بستر کے لالچ میں لے جا کر مہان داس کی دھرم شالہ میں چھوڑ دے۔ دراصل نکوکا یہ سب مہان اور اس کے بھائی گھنشیام ہی کے لئے کرتا تھا' لیکن اس پر بھی بدنامی اس کی اپنی ہوتی تھی۔ اس کے حصے میں آتی بھی تھی تو ایک آدھ چانپ اور ٹھرے مالٹے کی بوتل!

کوٹلہ جاترا کی جگہ تھی۔ چوہدری کی حویلی کے بازو میں دیوی کا مندر تھا جو کبھی بھیروں کے چنگل سے بچتی بچاتی اس گاؤں میں آنکلی تھی اور اس جگہ' جہاں اب ایک مندر کھڑا تھا' گھڑی دو گھڑی بسرام کیا تھا اور پھر بھاگتی ہوئی جا کر سامنے سیال کوٹ' جموں وغیرہ کی پہاڑیوں میں گم ہو گئی تھی۔ اب بھی کسی دھلی ہوئی صبح کو کوٹلے سے شمال مغرب کی طرف دیکھا جائے تو دور افق پر کسی ڈاچی کا کوہان سا نظر آتا ہے -- وہی وشنو دیوی کا پہاڑ ہے۔

نکوکے نے آج جس جاترن کو مہان داس چوہدری کی دھرم شالہ میں چھوڑا وہ مشکل سے بارہ تیرہ برس کی ہو گی۔ دیوی کے پاس تو اپنے آپ کو بچانے کے لئے ترشول تھا جس سے اس نے بھیروں کا سر کاٹ کر الگ کر دیا' لیکن اس معصوم جاترن کے پاس صرف دو پیارے پیارے گلابی سے ہاتھ تھے جنہیں وہ بھیروں کے سامنے جوڑ سکتی تھی' ان سے مدافعت نہ کر سکتی تھی۔ پھر بدن -- جیسے تربوز کے گودے کا بنا ہوا' جو مہان کی چھری سے بچ نہ سکتا تھا۔ شاید اسی لئے اس دن کا سورج غصے میں لال اپنے رتھ کے گھوڑوں کو ادھر چھانٹا' ادھر چابک' ادھر چھانٹا' ادھر چابک لگاتا ہوا سامنے خانقاہ والے کنوئیں کے پاس فارم کی کپاس کے پیچھے کہیں گم ہو گیا تھا اور اوپر آسمان پر دوج کے نازک سے چاند کو نچڑنے' پیلا ہونے کے لئے چھوڑ گیا۔

دھرم شالہ کے پاس ٹھیکے والوں کے مکان کی نئی لیپ ہوئی تھی۔ سیاہیوں کے پرے دیواروں کے چہرے بھی چھٹ چکے تھے۔ اینٹوں کا گیروا تو دکھائی نہ دیتا تھا البتہ ان کے بیچ چونا اتنے اندھیرے کے باوجود سامنے ہنستا' منہ چڑاتا ہوا نظر آرہا تھا۔ پروا میں کوٹلے کے

سارے پھروانہ' جامن اور بکائن سنسنا رہے تھے اور جوہڑ کے کنارے باوا ہری داس والے لنڈے پیپل کے گنے چنے پتے ایک بے ہنگم سی آواز پر تال دے رہے تھے۔ جس راستے پر نکوکا جا رہا تھا وہ گاؤں کے ایک ہی بازار' اور بازار میں ایک ہی آٹے والی دکان کے سامنے سے ہو کر جاتا تھا جہاں اتفاق کی بات' ایک ہی عورت -- جہلم ارائن -- اپنی ترکاری دے کر اس کے بدلے گیہوں لے رہی تھی۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے نکوکے نے آواز دی:

"کیوں جہلمیں -- پھر کیا مرضی ہے؟"

گاؤں بھر میں ایسی آوازوں کی عادی' غریب کی جورو سب کی بھابھی' جہلم نے نکوکے کی طرف مڑ کے بھی نہ دیکھا اور جھولی اناج سے بھرتی ہوئی بولی: "جو تیری ماں کی ہے نکوکا! ہائے تجھے پیدا ہونے سے کسی نے نہ روکا؟"

-- اور نکوکا ہنستا ہوا نکل گیا۔

گھر پہنچا تو اس کے جڑواں بیٹے ابھی تک بکائن کے نیچے کوئلے سے لکیریں ڈال آپس میں بارہ گٹال کھیل رہے تھے۔ ایک نے غلط ہی دوسرے کی کنکری مار لی اور مہا بھارت شروع ہو گئی۔ وہ بنا سمجھے بوجھے بڑوں کی ٹھیٹ زبان میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے' بال نوچنے لگے۔ باپ کی آہٹ پاتے ہی ایک دم اپنے اپنے اردو کے قاعدے لئے' دیئے کی روشنی میں بیٹھ گئے۔ ادھر باپ نے آواز دی: "پڑھو اوئے پڑھو۔" ادھر بڑے بچے نے پڑھنا شروع کیا: "وہ دیکھو الو بولا۔"

نکوکے نے معاملہ فہمی کے انداز میں کہا: "میں سب جانتا ہوں حرامیو!" جس پر چھوٹا زور زور سے کہنے لگا: "بک بک مت کر' بک بک مت کر۔" اور نکوکا اس نئی تعلیم کو ایک ناقابل علاج بیماری سمجھ کر سٹک گیا۔

ان جڑواں بچوں 'بنتے اور سنتے' سے بڑی پہلونٹی کی ایک لڑکی تھی جس کا نام نکوکے اور رانو نے ہمیشہ کی سہولت کے لئے بڑی ہی رکھ دیا تھا۔ وہ دن بھر کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹاتی اور جب کچھ نہ ہو تو سب سے چھوٹے' سال بھر کے چھوں کو کھلانے لگتی: "دیر آیا کھیل کے' نیں من پکاواں ویل کے۔" وہ محلے کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ گیند بھی کھیلتی جب بھی وہی بھیا اور وہی بھابھی:

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

"کوٹھے اتے گنا ' دیر میرا لماں
بھابو میری چَلی ' جندے نک مچھلی"

اور ایسی ہی آس پاس کی چیزیں: گنا' دیر' بھابھی' ناک کی مچھلی' لنڈا پیپل' توریاں' جیٹھ — اس کی کائنات ابھی جیٹھ کے تصور تک ہی پھیلتی تھی' لیکن ابھی سب کچھ مہمل مہمل ہی تھا' البتہ گھر میں ایک اور تھا جو تیزی سے سمجھ دار ہو رہا تھا: بڑی کا چاچا' تلوکے کا چھوٹا بھائی' رانو کا دیور — منگل — بے کار اور بد کار - دن بھر اسے چھیڑ' اسے چھیڑ' بار بار اپنے تہبند کو کس' گھر آتا تو یوں کھانا مانگتا جیسے سب اسی کی کمائی کا ہو؟ اور بھابی رانی اندر سے خوش باہر سے غصے میں کہتی: "دیتی ہوں مشٹنڈے! تیرے ہی لئے تو سب پکا ہے۔"

منگل پانچ چھ برس کا بچہ تھا جب تلوکا رانو کو مُنیشے' اس کے مائیکے' سے لایا۔ رانی کے ماں باپ بے حد مفلس تھے۔ شاید اسی لئے انھوں نے چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی اپنی بیٹی کا نام رانی رکھ دیا تھا۔ جب وہ بڑی ہوئی' بچری تو روٹی کپڑے کے وعدے پر اس کے ماں باپ نے اس کا ہاتھ تلوکے کے ہاتھ میں دے دیا اور خود عدم آباد کی طرف نکل گئے۔ رانو کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ اس کا آگا تو جیسا تیسا بھی ہے لیکن پیچھے کوئی نہیں۔ کبھی تو ایسا وقت آجاتا ہے جب ہر عورت گر کر پیچھے دیکھتی ہے اور جو نہ دیکھ سکے تو اسے آگے بھی نظر نہیں آتا۔ رانی جب سے کوٹلے میں آئی تھی اسے ماں کے روپ میں ساس جنداں مل گئی اور باپ کی شکل میں سسر حضور سنگھ' اور دیور منگل' جو اتنا چھوٹا تھا کہ بڑی کے پیدا ہونے پر اس کے ساتھ دودھ پینے کے لئے مچل گیا۔ کچھ ہنستی' کچھ شرماتی ہوئی رانو نے اکیلے میں جب اسے پاس بٹھا کر کرتے میں سے چھاتی نکالی اور اس کی طرف بڑھائی تو وہ بھاگ نکلا۔ منگل کو رانی ہی نے پالا۔ دنیا کی نظروں میں وہ اس کا دیور تھا لیکن رانی کی نگاہوں میں اِس کا سب سے بڑا بچہ۔ منگل بھی رانی کو اپنی ماں ہی سمجھتا تھا' ورنہ وہ سگی ماں کو تائی کیوں کہتا؟ جبھی تو رانی اس کے کان بھی اینٹھ لیتی تھی' دھول دھپہ بھی کر لیتی۔ لیکن اب پچھلے چند برسوں سے دنیا ہی بدل گئی تھی۔ نہ صرف بچے بڑے ہو گئے بلکہ منگل بھی آنکھیں نکالنے لگا اور تلوکا شراب پینے اور جنداں روایتی ساس کی شکل اختیار کرتے ہوئے بات بات پر کاٹنے لگی۔ اس کی اصلی وجہ تو یہ تھی کہ آمدنی کے راستے مسدود ہوگئے تھے۔

ادھر تلوکا ہفتے میں دو تین دن گھر میں ہی پڑا رہتا' ادھر حضور سنگھ کی آنکھوں میں موتیا بند اتر آیا اور وہ چارپائی پر بیٹھا کانوں سے دیکھنے کی کوشش کرتا اور اس کی آنکھوں کے پپوٹے صبح جوہڑ میں نہانے والے کبوتروں کی طرح پھڑپھڑاتے رہتے۔

چھٹی کے ایک روز شام کے قریب تلوکے نے رانو کے پاس جا کر اپنے اریب کرتے کی جیب میں سے ایک ٹماٹر نکالا اور اسے رانی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا: "لے' ایک پیاز ڈال کے کاٹ دے اسے۔"

رانی' جو ترکاری پکا رہی تھی' تھم گئی۔ ہاتھ کی کڑچھی دیگچی میں ڈالتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی' بولی: "پھر لے آئے میری سوت کو؟"

"تلوکے نے جھینپتے ہوئے کہا: "روز تھوڑے ہی ہوتا ہے رانو؟"

"روز ہو یا نہ ہو'" رانی کڑک کر بولی' "میں نہ پینے دوں گی۔ کہاں ہے تمھاری بوتل؟ آج میں دیکھ لیتی ہوں' اس میں کیا ہے جو مجھ میں نہیں؟"

تلوکا اس بات سے ڈر رہا تھا کہ شور نہ مچے' لیکن رانو نے وہی بات کی۔ دانت پیستے اور جھلاتے ہوئے تلوکے نے ایک نامردانہ سی کوشش کی: "کتیے! کنجریے! میں تجھ سے باگ کھینچ کر بات کر رہا ہوں اور تو ہے کہ چھوٹتے ہی ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔"

"ہاں" رانی بولی' "بے شک گھوڑے پر تو ہی سوار ہو سکتا ہے' آج اس گھر میں یہ رہے گی یا میں رہوں گی۔"

اور رانو بوتل ڈھونڈنے دوڑی۔ "آناً فاناً" تلوکے کی آنکھ کا پانی مر گیا۔ اس نے بھاگتی ہوئی رانی کو اس کے اڑتے ہوئے بالوں سے پکڑ لیا اور ایک ہی جھٹکے میں اس کا پنڈا کر دیا۔ دیے کی لو ایک بار بجھنے کے قریب ہوئی اور پھر سیدھی ہو کر کانپنے لگی۔ بکائن پر بیٹھے ہوئے تلئر اڑ گئے' ڈبو تن کے کھڑا ہو گیا اور پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھونکنے لگا۔ بڑی چلائی: "باپو!" بچے اندھیرا ڈھونڈنے اور چھپنے لگے۔ ایک تو موقع پا کر گھر سے بھاگ گیا' دوسرا ایک کونے میں جا لگا' دہشت کے عالم میں کانپتا ہوا وہ ماں کی بجائے "آں آں" کہہ رہا تھا۔ حضور سنگھ چارپائی پر سے لپکا' فریاد کے سے انداز میں گالیاں دیتا ہوا: "اوئے پاپیا' اوئے بے شرما! اوئے بے حیاوا" — اور تنور پر گر کر جھلس گیا۔

پہلے ہلے میں رانی برابر آئی۔ اس نے اپنی بتیسی تلوکے کے ہاتھ میں گاڑ دی۔ تلوکے

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

نے اور غضب ناک ہو کر اسے بار بار دیوار کے ساتھ مارا اور وہ گالیاں دیں جو اس نے کبھی اپنے جانور کو بھی نہ دی ہوں گی۔

"مار ڈالا ' ماں کو مار ڈالا۔" بڑی چلا رہی تھی۔ اور جب دادی باہر سے آئی تو بڑی کی شلوار گیلی ہو چکی تھی۔ جنداں آتے ہی بولی: " جانتی تھی ------ میں جانتی تھی ایکو دن یہ چاند چڑھنے والا ہے ------ ہائے یہ تیڑی واسوں (خانہ بدوشوں) کی اولاد جانے کہاں سے ہمارے گھر میں آگئی ؟"

"تو بیچ میں مت بول۔" منگل ماں سے کہہ اٹھا۔ وہ میاں بیوی کی لڑائی میں کسی کا بھی آنا ٹھیک نہ سمجھتا تھا اور ایک طرف کھڑا اپنے آپ کو روکنے کی اور سمجھانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

"کیوں نہ بولوں ؟" بڑھیا بکے جا رہی تھی ' "اپنی کمائی سے پیتا ہے ' اس کے باپ کمینے سے تو مانگنے نہیں جاتا ؟ خود تو کھپ گیا ' یہ کلنج (چیل) چھوڑ گیا ہمارے لئے۔"

ماں کی شہ پا کر تلوکا اور بھی تند ہو گیا۔ اس نے رانی کے کپڑے پھاڑ دیئے اور اسے یوں کر دیا جیسے ابھی پیدا ہوئی ہو۔ وہ زور زور سے چلا رہا تھا: "نکل جا! نکل جا میرے گھر سے!"

رانو بے دم سی ہو کر کہے جا رہی تھی: "میں نہیں رہوں گی ' میں آپی نہیں رہوں گی۔" کچی دیوار کے پاس کچھ اجنبی سے چہرے اگے ' اوپر کوٹھے پر کچھ عورتوں کے سائے سے رینگنے: "مار ڈالا ' اڑیو مار ڈالا --- ہائے نی کوئی بچاؤ --- ہائے نی یہ راکشش۔" --- ایسی ہی آوازیں آ رہی تھیں۔ سبھی اوپر کلیجہ تھامے کھڑی تھیں۔ نیچے آنے ' رانو کو چھڑانے کی ہمت کسی کو نہ پڑتی تھی۔ جب ہی کوٹھے کوٹھے ہوتی ہوئی جہلم ارائن ' اس کی بیٹیاں ' پورن دئی برہمنی ' نواب کی بیوی عائشہ ' چنوں ' دریا ' سروپو -- سب ہی پہنچ گئیں ' لیکن ان سب میں صرف چنوں چلا رہی تھی: "چھڑاؤ وے ' وے کوئی چھڑاؤ۔"

" کمبر دار جو کسی نے چھڑایا۔" رانو اوپر دیکھتے ہوئے چلائی ' "تم سب جاؤ --- جاؤ تم ----- کیا تم کو نہیں پڑتیں ؟" اور پھر بولی ' "آج جو ہونا ہے ہو جانے دو ایک بار۔ آج دیوی کے کوٹلے میں بڑا پن ہو گا۔ آج میں اس کے ہاتھوں مروں گی ' سورگ کو جاؤں گی ' آج میرے بچے مجھے روئیں گے۔"

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

---- رانو عورتوں کو بھگا رہی تھی ' بلا بھی رہی تھی۔

کہاں تو منگل ایک ضبط کے عالم میں سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کہاں اب ایکاایک لپک کر اس نے بڑے بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا اور موٹی سی ماں کی ایک گالی دیتے ہوئے بولا: لا --- اب لا ہاتھ پیچھے ' کہ ایک عورت ہی پر ختم ہو گئی شہ زوری ؟ لل --- لل اب ' اپنے باپ کا ہے تو!"

تلوکے نے منگل کی آہنی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی ' کچھ بولنے بکنے لگا لیکن منگل کی نگاہوں میں قتل دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ منگل نے اسی پر بس نہ کی ' آگے بڑھ کر اس نے زور سے بوتل کو ٹھوکر ماری اور وہ ٹوٹ گئی۔ شراب کی بو لپکی اور منڈیر پر کھڑی عورتیں چھی چھی کرتی ' ناک پر کپڑا رکھتی ہوئی پیچھے ہٹ گئیں اور کچھ دیر کے بعد چلی گئیں۔ پھر تلوکے کو یوں ٹس ہوتے دیکھ کر منگل نے خود ہی اسے چھوڑ دیا اور وہ ---- تلوکا ---- بکتا جھکتا ہوا اندر کوٹھڑی کی طرف چل دیا۔ اب اس کی گالیوں میں پتھر نہیں بنولے تھے جو ہولے ہولے دماغوں پر لگ رہے تھے۔ ان میں پہلی سی بے تکلفی نہ تھی۔ اب یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ زبان سے نہیں کسی کتاب سے پڑھ کے سنا رہا ہے۔

رانو اندر جاکر ایک ٹرنکی میں کپڑے ڈالنے لگی۔ وہ جا رہی تھی۔ کہاں جا رہی تھی ؟ یہ اسے بھی معلوم نہ تھا۔ وہ بس جا رہی تھی: "بیٹی تو کسی دشمن کے بھی نہ ہو بھگوان! ذرا بڑی ہوئی ' ماں باپ نے سسرال دھکیل دیا ' سسرال والے ناراض ہوئے ' مائیکے لڑھکا دیا۔ ہائے یہ کپڑے کی گیند جب اپنے ہی آنسوؤں سے بھیگ جاتی ہے تو پھر لڑھکنے جوگی بھی نہیں رہتی۔"

کپڑے تھے ہی کتنے ؟ پل بھر میں ٹرنکی تیار ہو گئی اور پھر ایک دم رانو کوٹھڑی سے باہر نکل آئی۔ خود روتی ' دوسروں کو رلاتی ہوئی بولی: "تو جی سنبھالو اپنا گھر۔ یہاں ایک میں ہی مہمان تھی ناں ' سو جا رہی ہوں۔ تم لے آنا کسی اور کو جو کرے مرے بھی اور تمہاری گالیاں بھی سنے ' مار بھی کھائے اور ہڈیاں بھی تڑوائے۔" پھر رانو کو سامنے بچے نظر آگئے ' غم اور غصے میں اندھی ہو کر جنہیں وہ بھول ہی چکی تھی۔ "بچے ؟" وہ خود ہی بول اٹھی '"

میں سمجھوں گی پیدا ہی نہیں ہوئے، سمجھوں گی مر گئے۔"

بڑی نے پاس آکر دوپٹے کا پلو تھامتے ہوئے کہا: "ماں!" رانو نے ایک دم جھٹکے سے پلو کو چھڑا لیا اور بولی: "پرے ہٹ مردیے! ایک دن تیرا بھی یہی حال ہو گا۔"

اور وہ باہر کی بہت ہی وسیع و عریض دنیا کی طرف چل دی۔ اندھیرے کے کارن آسمان کے تاروں کے سوا اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ادھر ایک ستارہ اپنی زمین جتنا بڑا تھا اور کئی زمین سے بھی بڑے جو سامنے کھڑے آنکھیں جھپک رہے تھے۔ بیچ میں کالی بدلی آجانے کی وجہ سے دوج کا چاند دو پھانک ہو چکا تھا۔

منگل نے بھاگتے ہوئے رانو کا بازو تھام لیا اور بولا: "بھابھی! کہاں جائے گی؟" اور پھر دہشت کے عالم میں پیچھے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "اسے روکو تائی۔"

جنداں ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی: "جائے گی کہاں؟ آگا نہ پیچھا۔"

حضور سنگھ چلایا: "دھیئے! رانئے!" اور پھر اندازے ہی سے اس کی طرف لپکتے ہوئے، پاس پہنچتے ہوئے اپنی پیٹھ پر سے کرتہ اٹھا لیا اور وہ چھالے، جو تنور پر گر کر جھلس جانے کی وجہ سے پڑ گئے تھے، دکھاتے ہوئے بولا: "میرا پنڈا تو دیکھ بیٹا۔"

رانو ابل پڑی۔ منہ پر دوپٹہ لیتے ہوئے بولی: باپو!" جب تک تلوکے کا نشہ بھی ہرن ہو گیا تھا۔ ایک یتیم لاوارث کی طرح وہ اندر سے آکر دروازے میں کھڑا ہو گیا اور اکھڑی سی آواز میں بولا: "جا ـــ جا نہ ـــ دیکھتا ہوں کہاں جاتی ہے؟"

"کہیں بھی جاؤں، تجھے اس سے کیا؟" رانی روتے ہوئے بولی: "جہاں بھی جاؤں گی محنت مجوری کر لوں گی، اپنا پیٹ بھر لوں گی۔ دو روٹیوں کے لئے منگتی نہیں کسی کو۔ گاؤں بھر میں کوئی جگہ نہیں میرے لئے، دھرم شالہ تو ہے ـــ"

دھرم شالہ! تلوکا چونک اٹھا۔ ایک دم آگے بڑھتے ہوئے اس نے رانی کی کلائی پکڑ لی اور بولا: "چل ـــ مر پیچھے۔"

پیچھے؟ ـــ آگے؟ ـــ رانو، خود دار رانو بہت کچھ چیخی چلائی لیکن تلوکے کی طرح اب اس کی باتوں میں بھی کوئی دم نہ رہ گیا تھا۔ وہ کوئی بہانہ ہی چاہتی تھی جس سے وہ بچی رہ جائے اور عزت بھی۔ اور اب جانے کا فائدہ بھی کیا تھا؟ بوتل تو ٹوٹ ہی چکی تھی۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

۶

حضور سنگھ کے جلے ہوئے بدن پر رال لگا کر رانو لوٹ آئی۔ تلوکا ٹانگیں پھیلائے پڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ سونے سے پہلے ننھا ایک بار رویا لیکن ماں کے چھاتی منہ میں دینے کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ تلوکے کے دماغ میں آج کے ہنگامے کی بجائے وہ جاترن گھمی ہوئی تھی، اور رات بھر گھمی رہی۔ اندھیرے میں وہ خود مہان داس تھا اور رانو جاترن۔ تلوکے نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو رانو نے جھٹک دیا۔

"ہی، بچی! بالکل بچی!" تلوکے نے کچھ کھسیانا ہو کر کہا، "تو تو بالکل ایک بارہ تیرہ برس کی بچی کی طرح کرتی ہے، ویسے ہی دولتی جھاڑنے لگتی ہے۔"

پھر تلوکا منت سماجت پر اتر آیا۔ وہ بھی ان مردوں میں سے تھا، اندھیرا ہوتے ہی جن کی ساری اکڑ جاتی رہتی ہے۔ پھر اس نے اٹھ کر شیو جی کی تصویر نکالی جس میں وہ پاروتی کو پاس بٹھائے ہوئے تھے اور سر کی جٹاؤں میں سے گنگا بہہ رہی تھی۔ رانو کے پاس تصویر رکھ کر تلوکے نے شیووں کا واسطہ دیا، پاروتی کے امرپیار کی باتیں کیں، لیکن رانو اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ پھر اس نے رادھے کرشن کی تصویر چوکھٹے میں سے نکال لی۔ وہ چوکھٹے سمیت بھی لا سکتا تھا، لیکن وہ ہر تصویر کو چوکھٹے ہی میں سے نکالے دے رہا تھا، جیسے وہ پئے ہوئے ہو یا ایسے ہی اس کے دماغ میں کوئی فاسد مادہ اڑ گیا ہو۔ کچھ دیر بعد چوکھٹے ہی چوکھٹے رہ گئے، تصویریں بیچ سے غائب ہو گئیں۔

رانو صبح اٹھی تو اس کا عضو عضو درد کر رہا تھا۔ وہ اٹھنا نہ چاہتی تھی، لیکن گھر کا سارا کام کاج پڑا تھا۔ شام کو کسی نے کچھ نہ کھایا تھا اس لئے روٹی کی بھی جلدی تھی۔ پھر گھوڑے کے لئے دانہ بھگونا، اس کا ساز نکالنا تھا۔ تلوکا ہمیشہ کی طرح ادھ سوا پڑا تھا، آنکھیں بھی آدھی کھلی آدھی بند، منہ پورا کھلا ہوا۔ رانو اس کے پاس سے اٹھ کر دیئے کے پاس گئی اور اسے ہاتھ میں لئے پھر تلوکے کے پاس چلی آئی ـــ اسی جذبے سے جس سے انسان مرے ہوئے سانپ کو دیکھنے کے لئے لوٹ آتا ہے۔

جب تلوکا اٹھا تو رانو گھر کا آدھا کام کر چکی تھی۔ اسے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا

جیسے کل شام کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کے ہاتھوں سے ساز لیتے ہوئے تلوکے کے ماتھے پر پھر سے تیوری چڑھ گئی۔ اسے دیکھنے پر بھی یہی معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ رات اس نے معافیاں مانگی تھیں نہ کان پکڑے تھے اور نہ ناک سے زمین پر لکیریں کھینچی تھیں۔ یوں بھی سورج کی کرنوں کے ساتھ ہی اس کی مردانہ اکڑ لوٹ آئی تھی۔ ساز کے تھامتے ہی اس کے گھنگرو چھن چھن کرا اٹھے.. گھوڑی کی پروں والی کلغی میں ہوا کی ایک لہر دوڑ گئی اور تلوکا بولا: "یہ نہ سمجھنا میں تجھ سے ڈر گیا ہوں۔"

"میں کب کہتی ہوں؟" رانو نے ٹالتے ہوئے کہا۔

تلوکا اس پر بھی چپ نہ ہوا: "عورتوں سے وہ ڈرتے ہیں جو نامرد ہوتے ہیں۔ آج پھر لاؤں گا مٹے مالٹے کی بوتل' دیکھوں گا تو کیسے روکتی ہے؟"

رانی کچھ نہ بولی' البتہ دل ہی دل میں اس نے سوچا: آج یہ لایا مٹے مالٹے کی بوتل تو میں گلے کی ہولدلی چبا لوں گی' بارہ بنگے کا پورا سینگ پیٹ میں گھونپ لوں گی' کتے کی گولی کھا مروں گی جو اس دن بوڑی نے کھائی تھی۔ پھر یہ کمینہ بھی ڈبو کی طرح ایک نظر مجھے دیکھ کے چھوڑ دے گا۔ ایک آدھ دھاڑ تو مارے گا ہی' میرے لئے نہیں تو اپنے بچوں کی خاطر۔ نہیں نہیں' کسی کا کیا جائے گا؟ مرجائے گی ماں باپ کی بیٹی۔ پر ماں باپ کہاں ہیں آگا نہ پیچھا! میں نہیں مروں گی۔ ساس خوش ہو گی' کہے گی: سستے ہی میں جان چھوٹی۔

جب ہی منگل اپنے البیلے پن میں پاس سے گزر گیا۔ بھائی کے پاس پہنچا تو دونوں مغائرت کی نظر سے ایک دوسرے کو دیکھنے' غرانے لگے۔

"تیار ہو گیا ہے پٹھا۔" تلوکے نے کہا اور خود ہی دم دبا کر اندر بھاگ گیا۔

منگل نے کوئی جواب نہ دیا اور باہر نکل گیا۔ بڑی ماں باپ کو ایک دوسرے کے قریب آتے دیکھ کر صحن کی طرف سٹک گئی اور چھوٹے بھائیوں کو مدرسے کے لئے تیار کرنے لگی۔ دوسری کوٹھڑی میں رات بھر کراہتا' جاگتا ہوا حضور سنگھ کہیں پچھلے پہر سو گیا تھا۔ جنداں دبی زبان میں جپ جی کا پاٹھ کر رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اکا سواریوں سمیت گھر کے سامنے کھڑا تھا اور رانو ہمیشہ کی طرح چار موٹی موٹی روٹیاں ایک میلے' روغن میں بسے ہوئے کپڑے میں لپیٹ کر تلوکے کو دے رہی تھی۔ رانو نے ایک نظر اکے کی طرف دیکھا جہاں بارہ تیرہ برس کی ایک لڑکی کچھ ہوش اور

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

کچھ بے ہوشی کے عالم میں بیٹھی تھی اور چودھری مہان داس کے کامے اسے تھامے ہوئے تھے اور شہر لے جا رہے تھے۔ رانو نے حیرانی سے پوچھا: "کون ہے؟ کیا ہوا اسے؟"

"مرگی!" تلوکے نے جواب دیا۔ وہ گھوڑے کی پیٹی کا بکلس لگا رہا تھا۔

"رانو نے ناک پر انگلی رکھتے ہوئے کہا: "مرگی؟

"ہاں!" تلوکا بولا' "مرگی —— جو ہر عورت کو پڑتی ہے۔ رات تجھے بھی تو پڑی تھی —— اور جس کا علاج جوتا ہے۔" اور پھر اندر طاق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: "یا وہ چھانٹا جو میں آج لوٹ کر تجھ پر توڑوں گا۔ کل ہی نتھو نے اس پر شام چڑھائی ہے۔"

رانو کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ تلوکے کے جاتے' نظروں سے غائب ہوتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ چھانٹے کو طاق پر سے اٹھا کر اندر بھنڈارے میں لے گئی اور اسے بھڑولی میں گیہوں کے نیچے —— بہت نیچے —— کر کے چھپا دیا۔

ابھی دوپہر بھی نہیں ہو پائی تھی کہ سامنے' شاملات کی طرف سے کچھ آدمی دوڑتے ہوئے آئے جن میں نواب اور اسماعیل' اکے والے' بھی تھے۔ گیان چند' پورن دئی کے شوہر' اور دیوانا' چکی کے مالک' کے پاس پہنچتے ہوئے نواب نے کہا: "اوئے پنڈتا! سنا تو نے؟" اور پھر اپنا منہ پنڈت کے کان کے پاس کر کے کچھ کہا اور پھر سب مل کر چہ میگوئیاں کرنے' تلوکے کے گھر کی طرف دیکھنے لگے۔ جب ہی جہلم کا داماد' مراد بخش' دکان پر سے ایک ہاتھ میں ترازو اور دوسرے میں دو سیری پکڑے ہوئے آیا اور شاہی جاٹ کو خانقاہ والے کنویں پر جانے سے روکنے لگا۔ پھر اس نے شاہی کے قریب ہوتے ہوئے کچھ کہا اور آخر وہ بھی دوسروں کے ساتھ مل کر تلوکے کے گھر کی طرف دیکھنے لگے۔ رانو دروازے میں کھڑی ان سب کے دیکھنے کو دیکھنے لگی۔

چنوں' جو رانو سے رات کی صلح کے بارے میں پوچھنے آئی تھی' اسے جھنجھوڑ رہی تھی: "بتا' بتا پھر کیا ہوا؟"

رانو نے اس کی توجہ سامنے ہونے والی سرگوشیوں کی طرف دلائی' اور بولی: "ہائے نی آج ان مردوں کو کیا ہوا ہے؟ سب کے سب اسی طرف دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں!" چنوں نے دیکھتے ہوئے کہا: "جانتی ہے کیوں؟"

"کیوں ؟"

"رات مار کھا کے 'ہڈیاں تڑوا کے تو اور بھی نکھر گئی نا۔"

"رنڈیے ' کسم کھانئے !" رانی نے چنوں کو چوٹی سے پکڑتے 'کھینچتے ہوئے کہا اور پھر دونوں ایک دوسرے کے کولہوں میں چپے دیتے 'کلکاریاں مارنے لگیں۔

رانو کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس نے چوہدری مہاں داس اور اس کے بھائی گھنشیام کو ہتھکڑیاں لگے بازار میں سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ لیکن ساتھ اٹھارہ انیس برس کا ایک نوجوان لڑکا بھی تھا جس کے کپڑے خون سے تر بتر تھے۔ اس کے منہ ' سر —— ہر جگہ پر خون ہی خون دکھائی دے رہا تھا اور وہ کچھ ہوش 'کچھ بے ہوشی کے عالم میں حوالدار جہان خان اور نمبردار تارا سنگھ کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ مہاں داس کا رنگ ایک دم سیاہ ہو جانے سے اس کے کانوں میں پڑی منتیاں چمکنے لگی تھیں۔ گھنشیام کے ماتھے پر بڑے بڑے نیل دکھائی دے رہے تھے اور صافہ یوں گلے میں پڑا تھا جیسے اسے باندھنے کی فرصت ہی نہ ملی ہو اور یا پھر لڑائی جھگڑے میں کھل گیا ہو۔

"شکر ہے ' " رانو بولی ' "میں تو آج گز بانٹوں کی چنی ! ہر کسی کے بننے کی بجائے یہ آج سرکار کے جنوائی بنے ہیں۔"

چنوں نے کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ رانو نے ناچتے اور تالیاں بجاتے ہوئے کہا: "میں تو آج ناچوں گی 'گردھا ڈالوں گی۔" اور پھر دروازے ہی سے مندر کے کلس کی طرف دیکھتے ' اس کی طرف ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ بول اٹھی: "شکر ہے دیوی ماں ! آج تو نے سن لی میری۔ آج کا دن تو دھنیہ ہو گیا میرے لئے۔"

جب ہی تلوکے کا اکا دکھائی دیا ' لیکن اسے گورداس چلا رہا تھا: "ہائے نی !" رانو نے چنوں سے کہا اور پھر اسی طرف دیکھنے لگی۔

اکے کے اندر کوئی لیٹا ہوا تھا۔ رانو نے سوچا: شاید اس مرگی والی لڑکی کو کچھ ہو گیا ہے ؟" پھر سب سواریاں مل کر اس لڑکی کو اتارنے لگیں۔ جب اسے پاس لائے اور اس کے منہ پر سے کپڑا ہٹایا گیا تو رانو ایک دم چلائی: "نہیں۔" اور پھر اندر کی طرف بھاگ گئی اور چنوں سر اور چھاتی پیٹتے ہوئے اپنے گھر کی طرف۔

تلوکا قتل ہو گیا تھا ! خانقاہ والے چاہ کے قریب اس نوجوان جاٹرن کے بڑے بھائی نے

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

اسے پکڑ لیا تھا اور اس کی شہ رگ میں دانت گاڑ دیئے اور اس وقت چھوڑا جب اس کے بدن میں خون کا ایک بھی نمکین قطرہ نہ رہا۔

جس وقت لوگوں نے اسے پکڑا وہ نوجوان وحشت کے عالم میں آنکھیں پھیلائے ' دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھائے ' مندر کے کلس کی طرف دیکھتا ہوا ایک مذہبی غیض و غضب ' ایک جنون کے عالم میں چلا رہا تھا: "تیرے نمت —— ہے دیوی ماں ! تیرے نمت۔" اور لوگ اسے مارتے دھاڑتے ہوئے لے جا رہے تھے اور وہ ایک بلند آواز میں دیوی ماں کی بھینٹیں گا رہا تھا:

"ماتا رانی دے دربار جوتاں جگدیاں
میا رانی دے دربار جوتاں جگدیاں "

(ماتا رانی کے دربار میں جوتیں جل رہی ہیں۔ میا رانی کے دربار میں جوتیں جل رہی ہیں)۔ اور ان جوتوں کی چمک اس کی پھیلتی 'ناچ ہوتی ہوئی آنکھوں میں چلی آتی تھی۔ بیچ میں اس کا رنگ ایکا ایکی پیلا پڑ جاتا اور پھر ایک دم لال 'کیسری ہو اٹھتا۔ جب ہی ہر لحظہ بڑھتے ہوئے لوگوں کے ہجوم کے ساتھ وہ مندر کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے کود کود کے ' اچھل اچھل کے ' لہک لہک کے گانا شروع کر دیا:

"ہے میا ! تیں تے بھیناں گوریاں
سر لال پھلاں دیاں جوڑیاں
میا رانی دے دربار —— جوتاں جگدیاں "

(اے میا! تم ساتوں بہنیں گوری ہو۔ تمہارے سر پر لال پھولوں کی جوڑی ہے)۔ اور وہ اپنے خون میں لپے ہوئے کپڑوں کو نچوڑ نچوڑ کر لہو اپنے سر پر مل رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دیوی کی روح اس میں چلی آئی ہے اور ایک انتقامی جذبے سے اپنا روپ کروپ اور آنکھیں آگ بھبوکا کئے بھیروں یا تلوکے کی طرف دیکھ رہی ہے۔

پھر وہ ڈنڈوت کے انداز میں مندر کے دروازے پر لیٹ گیا ' پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ لوگ ڈر سے کانپتے ہوئے اسے چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ وہ چاہتا تو اسی جنون کے عالم میں چلاتا ' بھینٹیں گاتا ہوا کہیں بھی نکل جاتا ' لیکن کچھ دیر بعد اس نے خود ہی اپنے آپ کو نمبردار تارا سنگھ کے حوالے کر دیا۔ یہ بھی اس کے جنون ہی کا ایک حصہ تھا۔

آس پاس کے پندرہ بیس گاؤں سنانٹے میں آگئے ۔ کوٹلے بھر میں کہرام مچ گیا۔ بے موسے بادلوں نے سورج کی آب و تاب کم کر دی اور وقت سے بہت پہلے اندھیرا چھا گیا۔ ویشنو دیوی مندر کے کلس تلوکے کے گھر میں جھانکنے لگے ۔ بکائن نے پتیاں سمیٹ لیں اور ڈبو نے رونے ' بھونکنے کی بجائے اپنی دم ٹانگوں میں سکیڑ لی ۔

حضور سنگھ کی آنکھوں میں پرماتما نے اکا اکی روشنی دے دی —— بیٹے کی لاش دیکھنے کے لئے ۔ جنداں غش کھا کر دس بارہ گھنٹوں کے لئے بچوں کی چلاہٹ سے گزر گئی ۔ رانو باہر دوڑی ' پھر اندر چلی آئی ' پھر باہر اٹھ دوڑی ۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ نہ معلوم کیوں اسے گھر کے سب زیور ' سب کپڑے پہننے کا خیال چلا آیا ۔ وہ یہ سب کرنے والی تھی کہ چنوں نے پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ دیوار سے مار مار کر چوڑیاں توڑنے لگی ۔ پورن دئی باہر سے مٹی کی مٹھیاں بھر کر لائی اور رانو کے سر پر خالی کردیں ۔ لیکن رانی اب تک کچھ نہ سمجھی ۔ وہ پھر اندر لپکی اور بھنڈارے میں جا کر گیہوں کے ڈھیر میں یوں ہاتھ مارنے لگی جیسے حاملہ کتیا ' "چونہ چونہ" کرتی ہوئی پنجوں سے زمین کے پڑے تک کھود ڈالتی ہے ۔ رانی نے وہی شام لگا چھانٹا نکال لیا اور اسے لے کر باہر سب کے سامنے چلی آئی اور کسی اندھے جوش سے اسے تلوکے کو دکھاتے ہوئے توڑ دیا اور بولی :

"لے میں نے توڑ دیا تیرا چھانٹا ۔ بڑا مجھ پر توڑنے آیا تھا!"

سب سمجھے رانی پاگل ہو گئی ہے ۔ رانی پاگل ہو گئی تھی اور نہیں بھی ۔ بڑی ' دیوار کے ساتھ کھڑی ' پہلے ہی چیخ پکار کر رہی تھی ۔ اس پر رانو نے اس کے پاس جا کر سر پر ایک دوہتڑ جڑ دیا اور بولی : "سب پہ گڑے پڑتے ہیں ' سب کو سیتلا نکلتی ہے ' سب مرتی ہیں ' ایک تو نہیں مرتی ۔" وڈا لے بیچ میں آکر چھڑا لیا ۔ اس غریب کا کیا قصور تھا ؟ قصور کیوں نہیں ؟ کیوں وہ ایسے باپ کے گھر پیدا ہوئی تھی جو اس کا رہن چھڑائے بغیر ہی چلتا بنا۔ پھر چوکھٹ پر کھڑی رانو کو ایک پل کے لئے خیال آیا : "رو دے ' رو دے کٹیئے ! نہیں تو جمانہ تجھ پر ہنسے گا !" لیکن رونا تھا جو کسی طور نہیں آرہا تھا ۔ اکا اکی رانو کو اپنے بچے کسی کے بچے معلوم ہونے لگے ' اپنا گھر کسی کا گھر۔ وہ پھر اندر گئی تاکہ پیاز ہی کوٹ کر اس کا پانی آنکھوں میں ڈال لے اور رو دے ' رو دے ۔ آخر اس کی ضرورت نہ پڑی ۔ سامنے رکابی میں وہ ٹماٹر پڑا تھا جو تلوکا رات مٹھے مالٹے کے ساتھ کھانے کے لئے لایا تھا۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

اب رانی کے بند ٹوٹے ۔ وہ رو رہی تھی بین کر رہی تھی ' اور سر پر دوہتڑ مار رہی تھی اور گاؤں بھر کی عورتیں زار زار روتی ہوئی اسے روک رہی تھیں ۔ رانی کے بینوں نے ساتوں آسمانوں میں چھید کر دیئے ۔ منگل چلا اٹھا : "ماں ! " اور پھر دیواروں کے ساتھ اپنا سر پھوڑنے لگا ۔ رانی چلا رہی تھی : "رانی بندیئے ! تیرا پیچھا نہ آگا ۔ ہائے رنڈیے ! تیری شکل تو اب باجار بیٹھنے والی بھی نہیں ' اب تو تو پیشہ کرنے جوگی بھی نہیں ۔"

۳

چوہدری مہربان داس ' اس کے بھائی گھنشیام اور بادا ہری داس --- سب کو سات سات سال کی قید سخت کی سزا ہو گئی تھی ۔ ساتھ جاترن کے بڑے بھائی ' اس لڑکے ' کو بھی اتنی ہی کیوں کہ لوگ مقتول کی لاش کو نمبردار تارا سنگھ اور حوالدار جہان خان کے پہنچنے سے پہلے موقع پر سے لے جا چکے تھے اور وکیل صفائی قاتل کے سلسلے میں ناگہانی اشتعال ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے ۔ لیکن بادا ہری داس کو اتنی لمبی سزا کیوں ؟ اسے اس لئے کہ اس کا لوہے کا لنگوٹ بوسیدہ سے کپڑے کا نکل آیا تھا ۔

بادا ہری داس کو ایسی عبرت ناک سزا سن کر کوٹلے کی سب عورتیں چپ ایک دوسری کے منہ پر کچھ ڈھونڈنے لگیں ۔ پکڑی گئی تو پورن دئی براہمنی جو سب سے زیادہ باتیں کرنے کی عادی تھی اور جس کے منہ سے ایکا ایکی "ہا" نکل آئی تھی اور آنکھوں سے آنسو۔ لوگ کہتے تھے جب تک گاؤں پر مندر کی چھتر چھایا ہے اور دیا دھرم والے لوگ ' جوہڑ کے کنارے اڑ کر آبیٹھنے والے کبوتروں کو دانہ دنکا ڈالتے ہیں ' کوٹلے میں کوئی پاپ نہیں ہو سکتا ۔ ہو گا بھی تو اس کی پوری سزا ملے گی جیسی کہ بھیروں کو ملی تھی ۔

چوہدریوں کی حویلی ' جائداد ' زمین وغیرہ سب مقدمے میں گئے ۔ دھرم شالہ پنچایت کے عمل میں چلی آئی ۔ اس سانحے کے بعد لوگ اتنے چوکنے ہو گئے کہ ان میں سے کسی کی بھی ہمت عورت کو سامنے سے دیکھنے کی نہ پڑتی تھی ۔ البتہ گاؤں کی گج گامنیاں جب اپنی مستی میں نکل جاتیں تو سب انہیں پیچھے کی طرف سے جاتے ہوئے دیکھتے اور نظروں سے ان کے اٹھتے ' گرتے کولھوں کے ساتھ تال دیتے اور کچھ دیر میں تال تک دینے کی ہمت نہ رہتی ۔

حضور سنگھ کی ہڈیوں تک میں پانی پڑ گیا تھا ۔ وہ چارپائی پر بیٹھا بڑھیا کی گالیاں سنا کرتا۔ جنداں اسے ایک دن رو بیٹھنے کی منتظر تھی ۔ کوئی زمانہ تھا جب حضور سنگھ نے اس عورت کو راج کرایا تھا ' بڑے بڑے شہروں کے چڑیا گھر اور توتا محل دکھائے تھے ' لیکن اب وہ بیکار ' بے یار و مددگار گھر میں پڑا گرنتھ صاحب کے نویں محل کے شبد گنگنایا کرتا جو دنیا

کی بے ثباتی کی تفسیر میں لکھے گئے تھے ' اور حضور سنگھ کو ایک عجیب طرح کا حوصلہ اور ہمت دیتے تھے ۔ جنداں رات دن کے چوبیں گھنٹے چکا کرتی ۔ رانی کو تو دیکھتے ہی بڑھیا کے بدن کے سارے تکلے کھڑے ہو جاتے اور وہ رانی پر اپنی گالیوں کے چھاجوں کے چھاج خالی کر دیتی : "رنڈئے ! ڈائنے ! چڑیلے ! میرے بیٹے کو کھا گئی اور اب تو سب کو کھانے کے لئے منہ پھاڑے ہوئے ہے ۔ چلی جا ۔ جدھر منہ کرنا ہے کر لے ۔ اب اس گھر میں کوئی جگہ نہیں تیرے لئے ۔"

رانو ایک پل کے لئے بھی وہاں نہ رہتی ' لیکن پاپی من ' جو ایک جالے کی طرح بچوں کے ساتھ لپٹا ہوا تھا ' اسے کچھ بھی نہ کرنے دیتا ۔ جتنا جنداں اسے گھر سے نکالنے کی کوشش کرتی اتنا ہی رانو اس کے پاؤں پکڑتی ۔ زندگی میں یوں ایکا ایکی بے قیمت ہو جانے سے وہ تیزی سے ڈھلنے لگی ۔ جو چیزیں اس کے بدن میں کم ہو رہی تھیں وہی بڑی کے جسم میں بڑھنے لگیں ۔ وہ پر پھل --- جنگل کے پھول کی طرح ---- اوپر ' نیچے ' دائیں ' بائیں ----- سب طرف بے تحاشہ کھلنے لگی ۔ کبھی اس پھول کی ایک پتی گر بھی جاتی تو اس کی جگہ دو اور نکل آتیں ۔ اپنے آپ سے بے خبر وہ اچھلتی کودتی چاندنی رات میں لڑکوں کے ساتھ کھیلنے نکل آتی ۔ دیر سے گھر لوٹنے پر دھان کی طرح پھٹک دی جاتی لیکن اس پر جیسے کوئی اثر ہی نہ ہوتا ۔ کچھ غریبی کی وجہ سے اور کچھ جان بوجھ کر رانو اسے پھٹے پرانے ' تیل اور بساند میں رسے بسے ہوئے کپڑوں میں رکھتی ۔ بال بنانے کی بجائے بکھیر دیتی تاکہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑے ۔ بڑی ' گوری چٹی تھی اور پورو کے الفاظ میں اس پہ کسی "انگریج" کی اولاد ہونے کا شبہ پڑتا تھا ۔ جب کوئی میلی نظر سے بڑی کی طرف دیکھتا تو رانو مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی اور پھر سب باتوں سے نپٹ کر پکار اٹھتی :

"گورا رنگ نہ دئیں وے ربا !
سارا پنڈ ویر پے گیا "

(گورا رنگ نہ دیجو پرماتما! سارا گاؤں بیری ہو گیا) ۔ رانو جتنا بڑی کو چھپانے کی کوشش کرتی اتنا ہی اس کا جوبن ان میلے اور بوسیدہ کپڑوں میں سے پھٹ کر سامنے چلا آتا ۔ وہ اس معصوم اور متحیر بچے کی طرح تھا جو باجے کی آواز سنتے ہی بے اختیار کھڑکی میں آکھڑا ہوتا ہے ۔ بڑی کو یوں انجان اور بے خود دیکھ کر رانو سر ہلا دیتی اور کہہ اٹھتی : "اس بے

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

باپ کی بیٹی کا انت برا ہے۔ جس دن کسی دشمن کی اس پر نظر پڑ گئی' یہ کہیں کی نہ رہے گی۔" اور مارے ڈر کے رانو کانپنے لگتی۔ اسے سیلان کی بیماری ہو گئی اور بدن کی چربی یوں گھلنے لگی جیسے تپتے توے پر مکھن کی ڈلی گھلنے' پگھلنے لگتی ہے۔

رانو کے حساب سے بڑی دن بدن اپنی تقدیر کی تاریخ کے نزدیک پہنچ رہی تھی۔ پچھلے ماگھ کی سنکرانت سے رانو کو بڑی کے "نہانے" کا حساب رکھنا پڑ رہا تھا۔ کہیں دو دن بھی اوپر ہو جاتے تو رانو اس سے عجیب طرح کے الٹے سیدھے سوال پوچھنے لگتی: "تیسرے پہر کو تو کہاں تھی؟ پھر ایشراں کے ہاں سے کہاں گئی؟ مندر میں کون کون تھا؟ کیوں تو پروہت سے گورو منتر لینے بیٹھ گئی؟ جانتی بھی ہے یہ منتر تجھے کہاں پہنچائے گا؟ بھول گئی باوا ہری داس کو؟" پھر وہ احتیاطاً" گھر میں کاڑھا لا رکھتی -- جھوٹ اور کفر کو ابال پھینکنے کے لئے۔ جب کہیں دھڑکتے پھڑکتے ہوئے انتظار کے بعد اس بلوغ کے بوٹے پہ کوئی نیا گل انار کھل اٹھتا تو رانی کی جان میں جان آتی اور بڑی کو جلدی جلدی گھر سے نکال دینے کی سوچ میں لگ جاتی۔ لیکن گھر میں تو بیس کوڑیاں نہ تھیں اسے رخصت کرنے' اپنے گھر بھیج دینے کے لئے۔ پھر رانو سوچتی: "وہ خود بھی تو روٹی کپڑے کے وعدے پر چلی آئی تھی"۔ لیکن پاپی پرماتما نے جب اس کی بچی کو زندگی کی سسرال میں بھیجا تو روٹی کپڑے کا بھی وعدہ نہ کیا۔ گاؤں کے نوجوان لڑکے' ہر دوسرے تیسرے شام ڈبکے جا کر سینما دیکھنے والے حرامی' بہن اور عورت میں بھی تمیز کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ اتنا تو انہیں سمجھنا چاہئے تھا کوٹلے کی سب لڑکیاں ان کی بہنیں ہیں اور عورتیں مائیں۔ اس پر بھی رانو ان میں سے کسی کے ہاتھ میں بڑی کا ہاتھ دے دیتی اور خود اس سارے حساب کتاب' اس ڈر سے چھٹی پالیتی' لیکن وہ لچے' بدمعاش -- سب کے سب -- مہر کرم دین کے باغ میں سے کھٹے توڑ' کچھ کھا کچھ پھینک کر' بھاگ اٹھنے والوں میں سے تھے۔ ان کی رکھوالی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ جانے بڑی کی قسمت میں ویرو وال تھا یا ڈسکہ؟ بڑھا گورایا یا جاکھی؟ یا دور لاہور؟ پشاور؟ رانو بیٹھی سوچ کے گزوں سے جدائیوں کے فاصلے ناپتی اور پھر ایک عجیب عمل سے کھینچ کھنچا کر انہیں سکیڑتی' چھوٹا کر لیتی۔ اس پر بھی اسے جھرجھریاں آتیں۔ بڑی کی مدد سے وہ اس کے وہج (جہیز) کا کشیدہ کاڑھتی ہوئی گنگنانے لگتی۔

"سمناں ساہورے چلنا' بھہ مکلاون ہار"

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

(ایک دن سب کو اپنی سسرال چل دینا ہے۔ ایک دن سب کا گونا ہو گا)۔ لیکن اس کا اپنا گونا؟ اس کی اپنی سسرال؟ جو اب مائیکہ ہو چکی تھی۔ دماغ اور کشیدے کی اسی ادھیڑ بن میں رانو یہ بھی بھول جاتی وہ گیت زندگی کا نہیں موت کا تھا۔

پھر جیسے اپنے آپ' ایکا ایکی رانو کی صحت ٹھیک ہونے لگی۔ بدن میں ایک عجیب طرح کا تناؤ پیدا ہو جاتا جو اس کے دماغ تک کی طنابیں کھینچ ڈالتا اور رانو کا من سسرال جانے کے لئے تڑپنے لگتا۔ رانو جب سے کوٹلے میں آئی تھی تلوکے نے اسے سسرال کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔ سسرال نام ہوتا ہے سات پردوں میں لپٹی لپٹائی آنے والی دلہن کا' اس کے سواگت کے لئے گھر کی چوکھٹ پر سرسوں کا تیل گرانے کا' پیچھے باجوں آگے نظروں کے ٹھٹھے کا' ساس کے چاؤ' سسر کے ملہار کا' گانی کھیلنے' برتن بدلنے کا' منہ دکھائی اور پھر رات کو موتیا یا کرنے کے پھولوں کا۔ دیے کی روشنی میں سمٹنے اور پھر کھل جانے کا' ایک بہیمت کے ساتھ ساتھ ایک اتھاہ مادریت کا -- لیکن تلوکا جہاں اسے ہر روز دلتا' روندتا ہوا لے جاتا تھا وہ تو سسرال نہ تھی' جس میں ہر لڑکی شادی کے بعد جانا چاہتی ہے! ہر عورت بیاہ کے برسوں بعد بھی جانا چاہتی ہے! رانو ایکا ایکی سسرال اور گونے کے لئے جاگ اٹھی۔ لیکن سسرال اور گونا تو اس کی بیٹی کا ہونے والا تھا۔ نہ معلوم اپنا یا بیٹی! --- بیٹی کا! --- اپنا ---! اور رانو کا وہی گیت ایک نوحے میں ڈھل جاتا' جنداں کی گالیاں اور دُور دُور جے اور دل دوز بنا دیتیں اور وہ گانے لگتی: "بجھ جُرد سے سیلڑی' جھر ساتھی نال۔" (سیلی اس وقت تک بس سکے گی جب تک ساتھی اس کے ساتھ ہو گا۔ جسم اس وقت تک کام کرے گا جب تک روح اس کی رفاقت کرے گی)۔

اس پر وہ اوباش -- منگل --- اور وہی اس کا نصیبوں والا اڈہ۔ منگل نے بکی پہ ساز لادنا تو سیکھ لیا تھا لیکن خود پہ گھر کی ذمہ داری کا جوا نہ پڑنے دیا۔ آمدنی پہلے سے بھی کم ہو گئی۔ زندگی میں ایکا ایکی چونک کر جاگا ہوا منگل جذبات و شہوانیات کے جنگل میں کھو گیا۔ ابھی وہ زندگی کے سیاق و سباق سے اچھی طرح واقف نہ ہوا تھا لیکن اسے "عورت" کا احساس ضرور تھا۔ جب بھی کوئی کنواری سامنے سے گزر جاتی تو جیسے اپنے آپ یہ بول اس کے ہونٹوں پر چلے آتے:

"نشے دیئے بند بوتلے! تینوں چین گے نصیباں والے۔"

(اے نشے کی بند بوتل! تجھے نصیبوں والے پئیں گے) اور نصیبوں والے اڈے پر اکا ہانکنے والا منگل یہ بھول ہی جاتا گھر کی طرف سے بھی اس پر کوئی فرض عائد ہوتا ہے' جہاں سب لوگ اب ایک ہی وقت کھانا کھانے لگے ہیں۔

انہی دنوں منگل کی جہلم ارین کی چھوٹی بیٹی -- سلامتے --- سے راہ و رسم ہو گئی۔ سلامتے نے نہ صرف ترکاری -- بھنڈی' بینگن اور توری -- ہی پر ہاتھ پیر نکال لئے تھے بلکہ اس کا پورا بدن بیل پر لگی ہوئی لوکی کی طرح ہرا بھرا اور نرم تھا۔ اس پر بھی وہ ہوا کے معمولی جھونکے کے ساتھ جامن اور بکائن تو ایک طرف' کانٹے دار ببول سے لپٹتی پھرتی تھی۔ ایک دن اس نے راہ جاتے منگل کو ٹوکا:

"اڑیا منگلا!"

"منگل' جو اکا لے کر نکل رہا تھا' گھوڑی کی باگ کھینچ کر رک گیا اور سلامتے کی طرف منہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ سلامتے نے پاس آکر آنکھیں مٹکائیں اور بولی:

"ہائے ہائے وے انیاں! ایک بات ہمیں بھی سیر کروا دے۔"

"کیوں نہیں سلامتے!" منگل نے ہامی بھری' "گولی (باندی) کس کی اور گہنے کس کے؟"

"کب کرائے گا؟"

"جب تو کہے۔"

سلامتے آگے پیچھے دیکھ کر بولی: "آج ہی رات۔"

"ہی"' منگل نے کہا' "میرا اکا رات کو نہیں چلتا۔"

اور وہ بکی' 'اپنی گھوڑی' کو ہابک لگا کر چل دیا۔ جب وہ سٹراہ کے راستے پر دو تین کوس نکل گیا تب سلامتے کی بات کے معانی اس کی سمجھ میں آئے۔ وہ گاؤں کی طرف مڑنے ہی لگا تھا کہ سواریاں الف ہو گئیں۔ پھر یہ سوچ کر کہ ابھی تو رات ہونے میں آٹھ دس گھنٹے باقی ہیں' وہ سٹراہ کے راستے پر چل دیا ---- گھوڑی کو ہابک لگاتے اور کہتے ہوئے: "چل میری بکئے' شہرو شہر۔"

شام کو منگل گھر پہنچا تو اپنے اس چھوٹے سے دمشق کی قحط سالی دیکھ کر سارا عشق بھول گیا۔ صبح سے کھانا نہ پکا تھا۔ بڑی نے کچھ چاول ابالے تھے' لیکن بھوکی رانو نے

انہیں طباق پہ ڈالا اور بنا نمک مرچ کے کھا گئی' سوکھے ہی نگل گئی۔ ساس سسر تو ایک طرف' اس نے اپنے بچوں کو بھی نہ پوچھا تھا۔ اور اب جنداں اسے دھکے دے دے کر باہر نکال رہی تھی اور رانی چتربنی مار کھا رہی تھی۔ وہ چاہتی تو ایک ہی ہاتھ سے بوڑھی جنداں کے جسم کا رشتہ اس کی روح سے علیحدہ کر دیتی لیکن وہ چپ تھی اور ایک ان جانے ڈر سے کانپے جا رہی تھی۔ منگل اس منظر کو دیکھ کر ایک مجرمانہ احساس سے بکائن کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ آج اس نے صرف تیرہ چودہ آنے بنائے تھے جو گھر کے نون تیل کے لئے بھی کافی نہ تھے۔ اسے الٹی طرف کی ایک سواری ملی تھی جو روپیہ سوا روپیہ دینے کو تیار تھی لیکن سلامتے کے لالچ میں وہ جلدی ہی گاؤں لوٹ آیا۔

منگل نے جنداں کے ہاتھ روکتے ہوئے کہا: "تائی! کیوں تو روز اس گریب کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے؟ کیوں روز مارتی' دھکے دیتی ہے۔ آخر کہاں جائے گی بے چاری؟"

رانو' جسے اپنے شوہر کے مرنے پر رونا نہ آیا تھا' ایک دم بلک اٹھی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے آنسوؤں کے سیلاب میں کچھ یوں ڈوب گئی کہ لڑھکنے جوگی بھی نہ رہی۔ وہ رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: "میں کیوں جاؤں؟ کیا نہیں کیا میں نے اس گھر کے لئے؟ بیٹے نہیں جنے کہ بیٹی نہیں جنی؟"

منگل بولا: "قصور بھابی کا نہیں' میرا ہے۔"

"تیرا خواہ مخواہ ہی؟" جنداں کڑکی' "جو عورت اپنے بچوں کی نہیں وہ اور کس کی ہو گی؟" اور پھر رانو کی طرف منہ کرتے' ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ بولی: "گرو کے واسطے' بھگوان کے واسطے' دیوی ماں کے واسطے تو اب جا --- دفان ہو جا۔ جو اندھا کانا ملتا ہے کر لے یہاں سے مر لے ......"

رانو اٹھی' مڑتی ہوئی اس نے جنداں کو ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو: "تو جننی ہے ماں! جگت ماتا ہے' تو تو مجھے مت دھتکار۔ جیسے تیسے بھی ہے مجھے رکھ لے۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔" اور اسی ڈر سے وہ سب کے حصے کا کھا گئی تھی۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس گھر میں رہے بھی تو کیسے؟ بچے اب پل چکے تھے اور قاعدے سے وہ اب ٹکوکے کے تھے' اس کے تھوڑے ہی تھے؟ ساس' سسر' گاؤں میں پنچایت کے لوگ لے جانے بھی دیتے تو وہ ان کو لے کر کہاں جاتی؟ خود بھیک مانگتی؟ ان سے

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

بھیک منگواتی ؟ پھر — بنتا 'منتا' اور بڑی — ہر ایک سے وہ ایک ہی سا پیار کرتی تھی۔ اب بھی وہ اس کی دیکھ ریکھ کے محتاج تھے۔ ایک کو چھوڑنے کا خیال کرتی تو دوسری پسلی میں درد ہونے لگتا۔ اور وہ سب اتنے چھوٹے نہ تھے کہ ساتھ لے جا سکتی 'اتنے بڑے نہ تھے کہ چھوڑ سکتی۔ ساس کے اٹھتے جوتا' بیٹھتے لات کے عمل سے رانو بھی اب یہی سمجھنے لگی تھی: جس عورت کا پتی مر جائے اسے اس کے گھر میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر ایک صبح چنوں آئی اور گلے میں بانہہ ڈال کر اپنے گھر لے گئی۔ ساگ کے ساتھ مکی کی روٹی کھلائی جو رانو نے اس ڈر سے تھوڑی کھائی کہ پھر نہ ملے گی۔ اور پھر چنوں موڑھا سرکا کر رانو کے پاس بیٹھ گئی اور بولی: "دیکھ بی بی! میں تجھ سے ایک بات کہتی ہوں' جو مانے تو؟"

رانو نے چنوں کی طرف دیکھا۔

چنوں شروع ہوئی: "یہ جنداں بندی' یہ ساس تیری تجھے جینے نہ دے گی' اس گھر میں بسنے نہ دے گی۔ یہاں رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

"کیا طریقہ ہے؟" رانو نے جاننے سے پہلے ہی ڈھارس پاتے ہوئے کہا۔

"وہ یہ کہ تو —— منگل سے شادی کر لے' چادر ڈال لے اس پہ۔"

"نہیں۔" ' رانو ایک دم کھڑی ہو گئی' یہ تو کیا کہہ رہی ہے چنوں؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ جب بڑا بھائی پورا ہو جائے تو۔"

یہ نہیں ہو سکتا۔" رانو نے کہا اور اس پہ ایک لرزہ چھانے لگا' "منگل بچہ ہے۔ میں نے اسے بچوں کی طرح پالا ہے۔ عمر میں مجھ سے کچھ نہیں تو دس گیارہ سال چھوٹا ہے۔ نہیں نہیں' میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی۔"

اور رانو گھر بھاگ گئی۔

منگل مکی کے لئے دانہ لے جا رہا تھا جب رانو گھر پہنچی۔ اندر جاتے ہوئے رانو نے مڑ کر ایک نظر منگل کی طرف دیکھا اور پھر ایکا ایکی' اپنے آپ "نہیں نہیں...... نہیں نہیں" کہتی ہوئی چل دی۔ خود کو جھلنگے میں گرا' منہ چھپا کر رونے لگی۔

گھڑی بھر کے بعد منگل ساز لینے کے لئے اندر آیا۔ آج وہ جلدی نکل جانا چاہتا تھا کہ گھر میں چاول ہی نہیں۔ گیہوں بھی آئیں اور موٹی سی روٹی پکے جیسی کہ پکا کرتی تھی اور

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

جس سے اصل میں پیٹ بھرتا تھا۔ چاولوں کا کیا ہے؟ وہ تو سیدھے پیشاب کے راستے سے نکل جاتے ہیں اور پھر پیٹ خالی رب والی۔ ہو سکے تو ایک آدھ ترکاری بھی ہو جائے جس کے سواگت کے لئے منہ کی سڑک پر ابھی سے چھڑکاؤ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ کچھ نہ ہو تو روٹی کے ساتھ پیاز ہی سہی یا پرلسن کی کچھ تریاں۔ سودیا کے ہاں سے لسی آ ہی جائے گی اور اس میں نمک اور لال مرچ ڈال کر روٹی کھا لی جائے گی۔ ان سب باتوں سے زبان اور تالو مل کر ابھی سے چٹاخ چٹاخ کرنے لگے۔ ایک ہاتھ سے ساز کا گورکھ دھندا سمیٹ کر منگل نے رانو کی طرف دیکھا اور بولا:

"کلغی کہاں ہے گھوڑی کی؟"

رانو ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھی۔ پہلے تو اس نے سیدھے منگل کی طرف دیکھا اور پھر ایکا ایکی گھبرا کر دوسری طرف جھانکتے ہوئے بولی: "بچے تو گئے مدرسے۔"

منگل نے حیرانی سے رانو کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: "حد ہو گئی بھئی۔ میں چترمتری کی کی بات کر رہا ہوں اور تو بچوں کی!" اور پھر یہ دیکھنے کے لئے کہ رانو کو ہوا کیا ہے' اس نے آگے بڑھ کر اسے چھو دیا۔ رانو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کھڑی ہو کر چلا دی:

"مت ہاتھ لگا مجھے۔"

منگل نے گھبرا کر ہاتھ کھینچ لیا اور اپنی انگلیوں کی پوروں کو دیکھنے لگا۔ پھر اسے کلغی مل گئی جسے ساز میں لگاتے ہوئے بولا: "اتنی سیانی' اتنی سمجھ دار ہو کر اب تک رات کی بات لئے بیٹھی ہے؟"

اور پھر وہ باہر نکل گیا۔

رانو اٹھ کر دروازے تک گئی اور پیچھے سے منگل کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ کوئی دیر میں گلی کے کونے نے لپک کر منگل کو چھپا لیا۔ اب ہیر گاتے ہوئے اس کی صرف آواز آ رہی تھی:

"ہیر آکھیا جو گیا جھوٹ بولیں' کون رُٹھڑے یار مناوندا اے
ایسا کوئی نہ ڈِٹھا میں ڈھونڈ تھکی' جیہڑا گیاں نوں موڑ لیاوندا اے"

(ہیر نے کہا: اے جوگی! تو جھوٹ کہتا ہے۔ روٹھے یار کو منانے کون جاتا ہے؟ میں ڈھونڈتے تھک گئی' ایسا کوئی نہ دیکھا جو جانے والوں کو واپس لے آئے)۔

چنوں نے پورن دئی سے بات کی؟ پورن دئی نے اپنے شوہر گیان چند سے جو گاؤں کا سرپنچ تھا اور اس وقت کوٹلے کی متنازعہ فیہ زمین کے ٹیلے ٹبے کھدوا کر، نیچی زمین پر مٹی ڈلواتے ہوئے راستہ ہموار کر رہا تھا۔ اس نے جورو سے منگل کے گھر کی حالت سنی تو بولا:

"ہاں، ہاں ٹھیک ہے۔ رانی بچاری اور کہاں جائے گی؟ کیا کرے گی"؟ اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بول اٹھا: "مگر منگل تو رانی سے بہت چھوٹا ہے۔"

"تو کیا ہوا؟" پورو بولی، "اسے کون سی ہیر مل جائے گی؟ گھر میں کھانے کو نہیں، بدن پر کپڑا نہیں۔ دونوں کا کام ہو جائے گا۔ دونوں سکھی ہو جائیں گے۔" اور پھر گاؤں کے سرپنچ کو ڈرانے کے لئے وہ کچھ اور بھی اپنے شوہر کے قریب چلی آئی اور کہنے لگی:

"تم نے سنا سلامتے سے اس کا؟"

"نہیں نہیں --- نہیں تو۔"

"میں تو کہتی ہوں ان آرائیوں، ان مسلوں کو گاؤں سے نکال ہی دینا چاہئے۔ یہ جہلم اور تینوں بیٹیاں اس کی، جو بیاہی ہوئی ہے وہ بھی اور جو نہیں وہ بھی --- سب ایسے گھومتی ہیں جیسے کتیا ----"

"تو کہے جائے گی، مطلب کی بات بھی بتائے گی؟" گیان چند نے بے صبری سے کہا اور بولا، "کچھ ہوا؟"

"ابھی تو کچھ نہیں، ہاں ہو جائے گا۔"

گیان چند کیا امید لے کر سننے آیا تھا لیکن سب مزا کرکرا ہو گیا۔ وہ بولا: "کچھ ہوا تو وہی حال ہو گا اس کا جو چودھری مہمان داس کا ہوا، لوہے کے لنگوٹ والے بابا ہری داس کا ہوا۔"

پورن دئی نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

گیان چند معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "مت یہ سمجھنا اب کے مقدمے میں صرف مرد ہی بھگتیں گے۔ جب تک عورتیں برابر کا حق نہیں مانگتی تھیں،

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

ٹھیک تھا، اب لیں برابری کا حق۔"

"میں ایک بات پوچھتی ہوں۔" پورن دئی نے کہا، "تم نے جہلم کو دھرم شالہ میں کیوں بلوایا ہے؟" وہ اندر ہی اندر ہری داس کے نام کی بس گھول رہی تھی!

"دھرم شالہ میں کہاں بلوایا ہے؟ وہ تو مر کرم دین کے باغ میں ---" گیان چند نے کچھ ہکلاتے، پھر فوراً ہی راستہ پاتے ہوئے کہا، "مسلمانی ہو کر وہ دھرم شالہ میں کیسے آسکتی ہے؟"

"اچھا! اب دھرم شالہ کی جگہ کرمو کے باغ نے لے لی؟"

"ارے نہیں ری سودائن! اس نے باغ کے سب کیلے توڑ لیے۔"

"تمہارے باغ کے تو نہیں توڑے؟"

"باڑ مضبوط تھی۔" گیان چند نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو وہ کیا کمی کرتی"

"باڑ مضبوط تھی یا پہلے ہی آتے جاتوں نے توڑ لئے؟"

گیان چند کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ پورو سے نظریں بچاتے ہوئے وہ بولا: "اچھا، اچھا --- تو بات کرنے آئی تھی منگل کی!"

"منگل کی نہیں، رانی کی۔" پورو نے تردید کی۔

"رانی کی سہی۔" گیان چند بولا، "میں تو سمجھتا ہوں اسے منگل کے ساتھ چادر ڈال ہی لینی چاہئے۔ یوں بھی گاؤں میں آئی ہوئی عورت باہر کیوں جائے؟ ادھر ادھر کیوں بھاگے؟ اس میں گاؤں کے ہم سب مردوں کی بدنامی ہوتی ہے۔"

اور پھر مزدوروں کی طرف منہ کرتے ہوئے گیان چند نے بلند آواز سے کہا "کامیو! گبھرو! سب زمین برابر کر دو، کہیں بھی اونچ نیچ نہ رہے۔"

اور تن آور جوان کسیوں اور کدالوں سے کام میں لگ گئے۔ ان کے جسموں پر تیل لگے، کسے ہوئے پٹھے دور دور تک ہوا میں جلوتیاں مارے، روشنی میں چمکنے لگے۔ اور گیان چند سوچنے لگا: "ہمارے دیش پنجاب میں، جہاں عورتوں کی کمی ہے، کیوں مردوں سے ان کا حق چھینا جائے؟ کیوں ایک عورت کو بے کار جلنے سڑنے دیا جائے؟ پھر وہ گاؤں

کی پنچایت سے الگ اور حضور سنگھ کی بھائیہ برادری سے الگ ملنے کے لئے چلا گیا۔

منگل کی غیر حاضری میں کچھ لوگ بڑی کو دیکھنے آئے تھے۔ بڑی معصوم کچھ نہ جانتی تھی۔ دادی کے کہنے پر مہمانوں کی خاطر خدمت کے لئے دوڑ کر چنوں کے وہاں سے برفی لے آئی جس میں ماوا کم تھا اور شکر زیادہ۔ نفع گیر دکانداروں نے ایک سیر ماوے سے پانچ سیر برفی بنائی تھی اور شہر کی یہ بیماری گاؤں تک چلی آئی تھی۔ وہ تین آدمی تھے: ایک ادھیڑ عمر کا تقریباً بوڑھا اور باقی کے دو جوان۔ ایک تو صاف اس بوڑھے کا بیٹا معلوم ہوتا تھا اور دوسرا شاید اس کا دوست۔ ہو سکتا تھا بھائی ہی ہو، لیکن شکل باپ پر نہ گئی ہو۔ دادی کے اشارے پر وہ بڑی کو اٹھتے بیٹھتے، اندر آتے باہر جاتے دیکھ رہے تھے، نگاہوں سے تول رہے تھے۔ نوجوان کی نگاہیں تو پھر اچٹ کر پڑتی تھیں لیکن بوڑھے کی سیدھی ---- اور جہاں پہنچتیں وہیں چپک جاتیں۔ آخر جب بڑی نیچے گھڑے میں سے پانی ڈالنے کے لئے جھکی اور پھیلی تو بوڑھے نے ہنکارتے ہوئے کہا: "ہاں!"

اور پھر بولا: "ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔"

اسی وقت بڑی کے ماتھے پر سے کسی خیال کی پرچھائیں گزری اور اس سے پہلے کہ دادی جنداں اسے باہر جانے کا اشارہ کرتی، بڑی ایک ہی زقند سے باہر بھاگ گئی اور اپنے پیچھے ایک ایسی خوشبو چھوڑ گئی جو نوخیز لڑکیوں ہی کے بدن سے آتی ہے۔

ہزار روپے سے آتے آتے ساڑھے پانچ سو پر فیصلہ ہوا۔ اس پر جنداں کو سوچنے کا موقع دے کر اپنی تسلی تشفی کرتے ہوئے وہ لوگ چلے گئے۔ حرافہ نے موقع بھی ایسا تلاش کیا تھا جب کہ رانو گاؤں کی دوسری عورتوں کے ساتھ کپاس چننے گئی تھی۔ جنداں اب سوچ رہی تھی: "یہ رقم ان لوگوں سے لے گی کیسے؟ لڑکی انہیں دے گی کیسے؟ رانو سے تو پوچھنا ہی پڑے گا! لیکن اسے تو وہ اپنے دل سے، اپنے گھر سے ہمیشہ کے لئے بیگانہ کر چکی تھی۔"

رانی لوٹی تو جنداں اسے لپو پوتیاں کرنے لگی اور جب اسے پاس بٹھا کر جنداں نے اس کی بغل میں اپنی بوڑھی، جھریوں ماری بانہہ ڈالتے ہوئے کہا: "تو جنم جنمانتر کی بہو میری" تو رانو کا ماتھا ٹھنکا۔ جب ہی بڑی نے باہر سے آتے ہوئے ماں کو اندر آنے کا اشارہ کیا جسے جنداں کی تقریباً اندھی آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔ رانو اٹھ کر اندر گئی تو بڑی

نے اپنی ٹھیٹ زبان میں ماں سے سب کہہ دیا۔ ساڑھے پانچ سو کی بات بھی سنا دی۔ وہ دروازے کے پیچھے سے سب سنتی رہی تھی۔

رانو بڑی کے منع کرنے پر بھی لپک کر باہر چلی آئی۔ وہ اپنی اوقات، اپنی ہمت، اس گھر میں اپنا درجہ --- سب کچھ بھول چکی تھی۔ وہ اس کڑک مرغی کی طرح تھی جو اپنے انڈے بچوں کو بچانے کے لئے شکرے اور باز پر بھی جھپٹ پڑتی ہے۔ "آج کون آیا تھا یہاں؟ کس کی ہمت پڑی یہ دہلیز پھاندنے کی؟ میری بیٹی کا سودا کرنے کی؟"

جنداں ایک، "نا عورت" قسم کی مدافعت پر اتر آئی: "نہیں وھیئے رانئے! وہ تو ایسے ہی بات کر رہے تھے۔ اب ہر کسی کا منہ تھوڑا پکڑا جا سکتا ہے؟"

"ہاں! پکڑا جا سکتا ہے، جھلسا جا سکتا ہے۔ رانو کوئی سن تھوڑے رہی تھی۔ ان حرام جادوں کی جبان کاٹ دینا تھی۔ منہ میں لٹ لٹ کرتا ہوا چو ٹھونس دینا تھا۔ میری بیٹی جس کی ایک ایک بانہہ، ایک ایک انگلی، ایک ایک پور لاکھ لاکھ کی، اس کی ایک ایک نکمی (نظر) میں سو سو موکھاں (موکش)، لوگوں کی ایک ایک نجر میں عمر قید۔"

"تیری بیٹی ہے۔" جنداں بولی، "میری بھی تو کچھ ہوتی ہے، میری بھی تو پوتی ہے۔"

"پوتی بہو سے ہوتی ہے، جب بہو ہی نہیں تو پھر پوتی کیسی؟"

اور پھر ایک لمبی سی گھسٹتی ہوئی "کمبردار" کہتے، ہاتھ لپکاتے ہوئے رانو اندر چلی گئی۔ آخر وہی جھلنگا، وہی رونا "ہائے اب میں بیٹی کو بکتے دیکھوں گی؟ میں تو صرف کچھ لے کے نہیں آئی تھی تو یہ دردشا ہوئی، یہ تو بک جائے گی اور وہ بات بات پہ اس کی ہڈیاں توڑیں گے، نوچ نوچ کے کھائیں گے۔ کہیں گے: تجھے ایسے ہی تو نہیں خرید کے لائے ہیں، دام دیے ہیں۔" "تلوکے مرحوم کے زمانے میں آخری یہی حربہ تھا رانی کا: "دیا تو نہیں دیا ---- لیا تو کچھ نہیں۔ بیاہ کر لائے ہو، کھرید کے تو نہیں لائے؟" --- اور یہ بیٹی میری بک جائے گی؟ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں، بیاہ ہو گا بھی تو کیسے؟" ایک لمحے کے لئے اسے خیال آیا، "آج مہربان داس چوہدری ہوتا، ایک ہی رات میں بیٹی کا جہیز تیار کر لیتی اور پھر اسے اپنے سامنے توتیاں بجاتی، ناچتی گاتی ہوئی برات، سہرے باندھے ہوئے لڑکے کے حوالے کر دیتی اور جب ڈولی اٹھتی تو دور کھڑی دیکھتی، روتی، دیکھتی ---- لیکن کبھی نہ کہتی: "بیٹی! تیرے سہاگ کے لئے رات ایک ماں نے اپنا سہاگ لٹا دیا"۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

"پھر پانچ ساڑھے پانچ سو ملیں گے تو یہ پھاپھاں مجھے کچھ دے گی تھوڑے ہی ؟ آخر بیچنا ہی ہے تو ایک ہی بار ساڑھے پانچ سو میں کیوں ؟ کیوں نہ میں اسے لے کر شہر نکل جاؤں اور تھوڑا تھوڑا کر کے بیچوں ؟ لاہور میں سینکڑوں ہزاروں بابو لوگ پھرتے ہیں جو کچھ دیر کے دل بہلاوے کے لئے پندرہ پندرہ بیس بیس روپے دے جاتے ہیں۔ کھانے کو چنگی چوکھی ملے گی، پہننے کو ریشم، کمین کمخاب۔ تھوڑے ہی دنوں میں روپوں اور کپڑوں سے صندوق بھر جائیں گے۔"

جب ہی زنانے کے ایک تھپڑ کی آواز سنائی دی جو رانو نے خود ہی اپنے منہ پر مار لیا تھا۔ اور اب ہمیشہ کی طرح ایک ان جانے خوف سے کانپنے لگی تھی۔

جنداں رانو کا آخری فقرہ سوچ رہ تھی: "پوتی بہو سے ہوتی ہے، جب بہو ہی نہیں تو پوتی کیسی ؟" اسی وقت گیان چند، کیسر سنگھ، بکو، ڈلا، کرم دین اور گاؤں کے دوسرے آدمی چلے آئے اور آکر حضور سنگھ کے پاس بیٹھ گئے۔ جنداں کو بھی بلوا لیا اور رانی کے چادر ڈالنے کی بات یوں چھیڑ دی جیسے یہ بھی کوئی جھگڑا ہے جس کا فیصلہ پنچایت، کو کرنا چاہئے۔ چادر کی رسم کی بات شروع ہو گئی۔ حضور سنگھ نے سمجھا: اس عمر میں جب کہ وہ مرنے کے قریب ہے، پنچایت برادری کے لوگ اس کی بے عزتی کرنے، اسے آخری ٹھوکر مارنے آئے ہیں۔ لیکن جنداں عورت کی سریع العقل سے یکایک بات کی تہہ تک پہنچ گئی، بلکہ اس سے بھی کہیں دور—— آگے—— بہت آگے نکل گئی۔ ایک لمحے کے لئے اسے خیال آیا: اتنا نزدیک، اتنے قریب کا خیال اسے پہلے کیوں نہ آیا ؟ پھر اسے یاد آیا: ہاں ہاں! آیا تھا۔ لیکن جب بڑی کتنی چھوٹی تھی۔ اب رانو پھر اس کی بہو ہو سکتی ہے اور بڑی اس کی پوتی۔ اور جب حضور سنگھ نے پنچوں کی طرف دیکھ کر آنکھیں پھڑ پھڑائیں تو بوڑھی دانت نکال کر اس کی طرف بڑھی۔ ڈبو کی بوڑی مری تھوڑی تھی ؟ وہ تو زندہ تھی —— جنداں۔ جنداں بولی: "تو بیچ میں مت بولا کر بڈھے! نہ مرے نہ جان چھوڑے۔ جانتا بھی ہے کیا کیا انصاپھ ہو رہے ہیں اس دنیا میں ؟ کہ اس جنم کا اندھا تو اگلے جنم کا بھی اندھا۔"

پنچ موجود تھے جنھوں نے بڈھے بڈھی کا بھی فیصلہ کرا دیا اور آخر حضور سنگھ اور جنداں، دونوں کی منظوری لے کر چلنے لگے۔ ان کے جانے سے پہلے، بزرگ ہونے کے ناطے،

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

جنداں نے سب کو اشیرواد دی۔ ان سب کے پیٹھ موڑنے کی دیر تھی کہ رانی بھری بپھری ہوئی منظر پہ چلی آئی: "تو تو بڑی کے بیاہ کی بات کرنے جا رہی تھی پھاپھاں! بیچ میں میرا مردہ کیوں نکال بیٹھی ؟" اور وہ بکے جا رہی تھی: "شرم ہے تو کچھ کھا مر۔ گھر میں بیسیوں ہولدلیاں پڑی ہیں دافر۔ ہے دیوی ماں! یہ جوہڑ کے گدلے پانی میں ڈوب مرے۔ اوپر سے آنے والی شین کوکو کرے۔ تو میرے چموں سے کیوں نہیں لیتی ؟ بنتے کے ہاں کیوں نہیں بیٹھ جاتی ؟ سنتے پہ کیوں نہیں چادر ڈال لیتی ؟ میں اس سے بیاہ کرنے جاؤں گی جسے میں نے چھاتی نکال نکال کر——"

جب ہی کوئی ہاتھ رانی کے بالوں پر پڑا اور وہ الٹی ہوئی دیوار کے پیچھے کوڑے کے ڈھیر پر جا گری۔ اٹھی، نظریں صاف ہوئیں تو سامنے چنوں کھڑی تھی اور دانت پیس رہی تھی: "رنڈیپے، کھسم کھانئے، ایدھر مر" اور پھر اسے مکان کے پیچھے، کھولے میں، جہاں گاؤں کے لڑکے لڑکیاں رات کے اندھیرے میں ملا کرتے تھے اور یا چور سیندھ لگاتے تھے، لے جاتے ہوئے بولی: "ہم تیرے بھلے کی کریں کتیے! اور تو پھیلتی جائے ؟"

" نہیں چنوں، نہیں۔ " رانو نے اس کے سامنے دکھڑا روتے، پاؤں پکڑتے ہوئے کہا، "وہ بچہ ہے، میں نے کبھی اسے ان نجروں سے نہیں دیکھا۔"

چنوں بولی: "دیکھ! تجھے اس دنیا میں رہنا ہے کہ نہیں رہنا ؟ اس پیٹ کا نرک بھرنا ہے کہ نہیں بھرنا ؟ اس اپنی شرم کو ڈھانپنا ہے کہ نہیں ڈھانپنا ؟ بڑی آئی ہے نجروں والی۔ کہا نہیں بلھے شاہ نے ؟:

بلھیا ! رب دا کیہ پانا ؟

ایدھروں پٹنا، اودھروں لانا۔

بس ادھر سے نکال کر ادھر ڈال دینے کی بات ہے۔ پہلے سے اسے ان نجروں سے نہیں دیکھا تو اب دیکھ، مرسیے!"

رانو اپنے تصور میں منگل کو دیکھ رہی تھی۔

چنوں بولتی چلی گئی: "سوچ تو موئیے! دو شادیاں یہاں کس ماں جائی کو ملتی ہیں کرنے کو ؟ جس کے ساتھ ہو گئی سو ہو گئی۔ بیچ میں دو چار ہو جاتے ہیں، لیکن وہ کوئی اچھی بات ہے؟ ہر بکت ڈر سے جان نکل رہے۔ ہاں، مردوں کی بات الگ ہے۔ یہ دنیا ان کی ہے

------ کوئی پوچھتا بھی ہے ؟ کوئی جو باہر سے آکر تیرے منگل سے کرے گی' تو کیوں نہ کرے ؟ سلامتی کی سنی ہے نا تو نے ؟ کھیر' وہ سب باتیں چھوڑ' تجھے اپنی بیٹی کا بیاہ کرنا ہے کہ نہیں کرنا ؟"

رانو پھر چونک گئی : "اپنا بیاہ کہ بیٹی کا ؟ اپنا ! " وہ بچوں کی طرح "نہ نہ " کی ضد کرتے چلی گئی اور گھر پہنچ کر دن بھر بیٹھی سوچتی رہی' سوچتی رہی۔ جب ہی ایک اور ہی آگ اس میں لپک آئی جس کا تعلق بڑی سے تھا' نہ چھوٹے دو بچوں سے اور نہ چنوں سے۔ کوئی اور ہی ناپید بچے اس کے پیٹ میں مچلنے لگے تھے۔

شام کے قریب پورو آئی تو رانو بیمار پڑی تھی۔ ایک پٹی سی سر کے گرد کس کر باندھ رکھی تھی۔ بڑی چنوں موسی کے یہاں جا کر آٹے کی چڑیاں سی بنوا کر لے آئی تھی اور رانو نے انہیں اپنی کنپٹیوں پر چپکا رکھا تھا اور وہ چڑیاں دانہ دانہ کر کے رانو کی ساری گرمیاں چن رہی تھیں۔ پورن دئی نے تھوڑی مزاج پرسی کی اور پھر مسکراتے ہوئے کہا : "کیوں نی! کیسا بکھار ہے ؟ " اور رانو منہ موڑ کر مسکرا دی۔

اس پر پوری کائنات ایک مخدوش سے طریقے پر کھل اٹھی۔ پورو ہنسی۔ بڑی کچھ نہ جانتے ہوئے بھی ہنسی کے اس اکا دکا موقع سے فائدہ اٹھا کر کھکھلا اٹھی۔ نہ معلوم کب اور کیسے سنتوں' مہاتماؤں' دارھے کرشن اور شیو پاروتی کی تصویریں اپنے آپ چوکھٹوں میں جا لگی تھیں اور ان دیوی دیوتاؤں کے چہروں پر دنیا بھر کی محنت کا نقش دوام ہو گیا تھا۔ بڑی کی کھلی سے بکائن پہ آئے ہوئے توتے چہچہاتے ہوئے اڑ گئے۔ مندر کے سنہری کلسوں پر سورج نے اپنا آخری گلال کھنڈ دیا --- اور گھنٹیاں بجنے لگیں۔

ایک دم --- ایک دم کہیں سے منگل آکر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ وہ خوش تھا' بہت خوش۔ آج اس نے سات روپے کمائے تھے جو اس نے معمول کی طرح آتے ہی رانو کے ہاتھ میں تھما دیے اور پورن دئی بول اٹھی "لے' یہ پہلی کمائی۔ وہ کمائے' تو کھا۔" اور رانی نے گھبرا کر پیسے ہاتھ سے چھوڑ دیے۔ نوٹ بھنڈارے کی طرف اڑنے لگا اور سکے کچھ فرش پر گر کر کونے کھدرے تلاش کرنے لگے۔ منگل نے حیران ہوتے ہوئے کہا : "ہنس کیوں رہی ہو چاچی ؟ "

چاچی بولی : "یہ تو اپنی اس سے پوچھ۔" اور پھر اسے گھبرائی ہوئی رانی کے پاس' اکیلے

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

میں چھوڑ کر بڑی کو باہر گھسیٹتی ہوئی پورن دئی چل دی۔

منگل پیچھے بے وقوفوں کی ایک مخصوص' پر خلوص ہنسی ہنسا اور کہنے لگا : "کوٹلے کی سب عورتیں اس قابل ہیں کہ -------"

رانو نے بیچ میں ہی بات کاٹ دی : "مرد کم ہیں ؟"

منگل کچھ نہ سمجھا۔ دونوں اپنے اپنے جال اور اس کی گھنڈیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ منگل نے اپنی ٹرنکی میں سے کرتی اٹھائی جو کبھی بھلے زمانے میں اس نے پشاور سے منگوائی تھی' جس کے گبّے پر اون کا کشیدہ تھا اور لوکاٹ کے پھول سے بنے تھے۔ اسے ہاتھ میں لے کر لہراتا ہوا وہ باہر نکلنے لگا' کہتے ہوئے : "کم سے کم مردوں کی بات سمجھ میں تو آتی ہے۔"

"مردوں کی مردوں کو سمجھ میں آتی ہے۔" رانو بولی "اور عورتوں کی عورتوں کو۔ " اور پھر اس نے آنکھیں مٹکائیں' جو فن اسے لاکھوں کروڑوں صدیوں سے آتا تھا۔ منگل نے جی ہی جی میں سوچا : رانی ٹھیک کہتی ہے۔ کیا اسے معلوم تھا آج ڈھارے کے گھپ اندھیارے میں' جہاں چوہدری کے مکان کا ملبہ پڑا ہے' شہتیر کے پیچھے میں اور سلامتے ایک نئی ہی عمارت کی نیو رکھ رہے ہوں گے ؟' اس نے دروازے میں سے مڑ کر رانی سے کہا: "یہ تو آج کیا مرد عورت کا جھگڑا لے بیٹھی ہے ؟ "

"وہی تو جھگڑا ہے سارا۔"

"کرکھیتر (کورو کشیتر) کی لڑائی ہے ؟ "

"اس سے بھی پرانی۔" رانی نے جواب دیا اور پاس آتے ہوئے بولی' " جس میں جیتا ہوا بھی ہارا اور ہارا ہوا بھی ہارا۔"

منگل رک گیا اور رانی کی بات کا کوئی گہرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے' لیکن وہ سماں تھا جب کوئی بھی بات کرو تو مطلب بن جاتا ہے۔ اور کبھی کچھ بھی کہو مطلب نہیں بنتا۔ اس وقت مطلب تھا یا نہیں' اس کے لئے دماغ چاہئے تھا یا وقت ؟ اور دونوں کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ تھیں۔ رانو تینتیس چونتیس برس کی بھرپور عورت تھی جس میں نسائیت انگڑائی لے کر جاگی تھی۔ اس میں نو عمر' نوخیز لڑکی جیسی رعونت تو نہ ہو سکتی تھی البتہ عورت پنے کا پورا غرور تھا جو

برسوں، صدیوں سے حالات کے ردے در ردے کے نیچے دب کر رہ گیا تھا اور اس وقت ابل کر، اچھل کر نکلتا جب اوپر کی سطحیں کمزور ہو کر راستہ چھوڑ دیتیں۔ بہ خلاف اس کے منگل، چوبیس پچیس برس کا جوان گھبرو شروع ہی سے دریا اور آخر دریا، جو منبع کا محتاج تھا نہ دھانے کا اور نہ کناروں کا۔

باہر آکر رانو نے یوں ہی برتن ٹکرانے شروع کر دیے۔ جو وہ چاہتی تھی وہی ہوا، منگل سلامتے کے پاس جانے سے رہ گیا۔ ماں جنداں نے بیٹے کو آواز دی، اور جب وہ پاس آیا تو اسے بٹھا کر باتیں کرنے لگی۔ رانی مصلحتاً سنک گئی۔ بڑی کو اور جڑواں بچوں کو کھیلنے کے لئے باہر بھیج دیا گیا۔ رانی جا کر دروازے کے پیچھے کھڑی ہو گئی، جو ہماری دنیا کی اکثر عورتوں کی جگہ ہے۔

جنداں نے ابھی بات چلائی ہی تھی کہ منگل سمجھ گیا۔ پگڑی میں سے اس کے بال جیسے اپنے آپ باہر آنے لگے اور وہ انہیں ایک ہاتھ سے اٹھا، دوسرے ہاتھ کی انگلی سے اندر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دیے کی مٹ میلی روشنی میں اس کا چہرہ خون کے اِکا اِکی دورے سے لال ہوتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

رانی نے کواڑ کے پیچھے چھپ کر، دیوار کا سہارا لیتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ دیا، منہ سے جس کی دگڑ دگڑ سنائی دے رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کوئی خونی اوپر کی منزل پر کسی کا خون کر کے اب بھاگنے کے لئے جلدی جلدی سیڑھیاں اتر رہا ہے۔ کوئی دیکھتا وہ کیسے ایک دم توریئے کے بے بہارے پھول کی طرح پیلی، کمہلائی اور مرجھائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ دیوان شاہ کی دکان پر بکنے والے پرانے چھوہاروں کی طرح سکڑ چکے تھے اور گھٹنے آپس میں ٹکرا رہے تھے، جیسے محبت یا خوف کے ایک بارگی حملے سے لرزتے، ٹکراتے ہیں۔

منگل نے اٹھ کر اندر کی طرف دیکھا جہاں اس کے قیاس کے مطابق رانی گئی تھی۔

"نہیں، یہ نہیں ہوگا، یہ کبھی نہیں ہوگا۔" اس نے بائیں ہاتھ کو ایک فیصلہ کن جھٹکا دیتے ہوئے کہا، جیسے وہ چھانٹے کو دیا کرتا تھا جب گھوڑی 'بگی' کو دلکی میں ڈالنا ہو۔ پھر وہ بولا:

"میں ماں کی گالی نہیں کھاتا۔ ان ___ کی ماں کا ...... یہ تو کیا لاٹ صاحب جارج پنجم بھی آجائے تو میں یہ کبھی نہ کروں۔ میری ماں کے برابر اس کی عمر ہے۔ میں سر اس کے پاؤں پر رکھ سکتا ہوں، پاؤں سر پر نہیں۔"

اور وہ بکتا جھکتا، ادھر ادھر تبرّے سناتا، ہوا کو گالیاں دیتا ہوا باہر نکل گیا۔ اوپر منڈیر پر ایک سایہ سا لہرایا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔ "ہائے نی! نی ---" جنداں نے چلاتے ہوئے کہا، "رانئے! انیئے! دیکھ کہیں اپنے آپ کو کچھ کر ہی نہ لے۔ کہہ کے گیا ہے: گھر میں ایک اور تلوکے کی لاش آئے گی۔"

رانو لپکی، گری، پھر لپکی، حتیٰ کہ دروازے کے پاس جا پہنچی جہاں چنوں، پورن دئی، دریا وغیرہ نے اسے جکڑ لیا۔

رانی اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے بولی: "ہائے نی، ہائے نی ----" اور اس نے اندھیرے کی طرف اشارہ کیا۔

"کچھ نہیں کرے گا۔" چنوں نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ہائے! کچھ کر لیا اس نے تو میں مر جاؤں گی، ہم سب مر جائیں گے، سب کا ٹھیکرا مجھی پہ ٹوٹے گا۔"

"تو مر رہ نا۔" دریا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا، "ٹھیکرا توڑنے والی اور کون ہیں؟ ہم ہی ہیں نا؟"

"ہے دیوی ماں! میرا تو سارا بدن ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" رانو اپنے شنگی ہاتھ چھاتی پر رکھتی، اور پھر پورو کا سہارا لیتے ہوئے بولی۔

چنوں رانی کے ہاتھ دباتے، اسے ہوش میں لاتے ہوئے بولی:

"تجھے ہی تو گرم کرنے کے لئے یہ ساری مصیبت کی ہے۔ کیا برف ہوئی جا رہی تھی۔"

"مجھے بچا لو چاچی!" رانی نے پورن دئی کے پیر پکڑتے ہوئے کہا۔

پورو نے اپنے پیر چھڑا لئے اور بولی: "مری کیوں جا رہی ہے؟ کچھ ہونے والا نہیں۔ ان موئے مردوں پر جب لادی ڈالی جاتی ہے، سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہم عورتیں یہ نہ کریں تو سب کی سب دھری رہ جائیں۔ تو تو جانتی ہے۔"

رانو کو کچھ حوصلہ ہو گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا اور بدستور لرزتی، کانپتی ہوئی چنوں کی طرف دیکھ کر بولی: "وہ کیا کرے گا؟"

"جو تو نے کیا۔" چنوں نے کہا۔

"کیا سوچے گا؟"

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

"جو تو نے سوچا۔"

بڑی پاس کھڑی سن رہی تھی اور اب تک معاملے کو کچھ کچھ سمجھ چکی تھی۔ وہ ایک دم بولی: "ماں نے یہ سب کیا تو میں کچھ کھا مروں گی۔"

اس پر سب عورتوں نے اپنی اپنی ناک پر انگلی دھرتے ہوئے ایک لمبی، گھسٹتی ہوئی "ہو ہائے" کی اور پھر چنوں نے بڑھ کر بڑی کی چوٹی کھینچ ڈالی اور باقیوں نے دھکے دے کر اسے بھیج دیا۔ بڑی جب اندر گئی تو شرم، نفرت اور کدورت سے اس کا چہرہ سوج رہا تھا۔

۵

منگل ڈھارے میں پہنچا۔ سلامتے کوٹھے کوٹھے ہوتی ہوئی منگل کے گھر جا کر جھگڑا ہوتے سن آئی تھی جو اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ اب وہ لوٹ کر منگل کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے دماغ میں ایک بولی تھی جسے وہ منگل کو سنانا چاہتی تھی:

ہسدی نے چند منگ لئے　　یار چھڈ گیا گلی دا آنا

(ہنسی ہنسی میں جھومر کیا مانگ لیا کہ یار نے گلی ہی میں آنا چھوڑ دیا!)

جب ہی سامنے منگل دکھائی دیا۔ وہ غصے سے ہانپ رہا تھا۔ ایک پل ٹھٹکنے کے بعد وہ سلامتی سے کچھ دور کھڑا ہو گیا۔ سلامتی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آئی اور ... کی خاموشی میں ہزار مطلب تلاش کرنے لگی، اور پھر ہزار مطلب میں ایک ہی ...ب۔ وہ آج بن ٹھن کے آئی تھی۔ اپنی بڑی، بیاہی ہوئی بہن عنایتی کا دوپٹہ اڑا لائی جس پر مقیش لگی تھی، جو کہیں دور سے آتی ہوئی روشنی میں چمک چمک جاتا تھا۔ شام ... ہلکی ہلکی ہوا میں سلامتی کے بدن میں لپٹا ہوا دوپٹہ یوں کانپ رہا تھا جیسے چینے کی مٹھائی ... کا چاندی کا ورق کانپتا ہے۔

منگل کی آنکھیں، اندھیرے کے باوجود، ایک مشعل کی طرح جلتی ہوئی نظر آ رہی ...یں۔ سلامتی کے پاس پہنچ کر اس نے اپنا پاؤں ملبے کے پاس پڑے ایک شہتیر پہ رکھ دیا ... کا بہت سا حصہ لوگ کاٹ کر جلانے کے لئے لے جا چکے تھے۔ آہستہ مگر مضبوط آواز ... منگل پکارا: "سلامتے!"

"ہوں!" سلامتی ایک میٹھی سی آواز میں بولی۔

"ادھر آ" وہ بولا اور سلامتی جواب دیے بغیر منگل کے پاس آ گئی، رک گئی۔

"اتار دے دوپٹہ۔" منگل بولا۔

سلامتے نے دوپٹہ الگ پھینک دیا۔

"نکال دے قمیص۔"

سلامتی نے قمیص اتار دی۔ ایک لڑکی کے لئے سب سے مشکل بات لیکن اس لمحے کی

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

سولی پہ لٹکی ہوئی سلامتی اپنا ارادہ ہی کھو بیٹھی تھی۔ دایاں ہاتھ بائیں اور بایاں ہاتھ دائیں شانے پر رکھے وہ تھوڑا جھک گئی۔

شاید وہ کچھ کہتی لیکن منگل نے اندھیرے میں، کہیں دور سے، اپنا آپ چھڑا کر آتی ہوئی دیے کی لو میں سلامتی کی طرف دیکھا اور اسی وزنی آواز میں بولا: ہو گئی سیر۔ اب چلی جا۔"

سلامتے نے بھونچکی ہو کر اپنے کپڑے اٹھائے، جلدی جلدی قمیص گلے میں ڈالی اور پھر گھبراہٹ اور دہشت کے عالم میں آگے دیکھتی، پیچھے مڑتی ہوئی چل دی۔

اسی وقت کوئی پاس سے گزرا اور جیسے خاموشی کا منہ پاٹنے کے لئے بول اٹھا: "کون ہے اوئے؟" منگل نے ایک دم تاؤ میں آکر تھنے پھلا لئے اور بولا: "تو کون ایں اوئے ماما؟" اور وہ آدمی لمحے بھر کے لئے ٹھٹک کر اپنی راہ پہ ہو لیا۔ وہ مقتول نہ تھا!

منگل کچھ دیر وہیں کھڑا ارد گرد کی فضا کو سونگھتا رہا اور پھر ایکا ایکی بائیں ہاتھ کو چھانا لگانے کے انداز میں جھٹک کر، سلامتے کے گھر کی طرف ساہنسیوں کی ٹھٹی میں کہیں غائب ہو گیا۔ ساہنسیوں کی ٹھٹی جو ہمیشہ گاؤں کے ایک طرف ہوتی ہے جہاں ارائیں، جھینبے، چمار، مسلی وغیرہ رہتے ہیں اور جس کی طرف گاؤں کی گندی موریوں اور بدرروں کا نکاس ہوتا ہے۔

٦

پنچوں کی مقرر کی ہوئی تاریخ آپہنچی۔ پورو، چنوں اور ودیا نے مل کر رانو کے ہاتھوں پر مہندی لگا دی اور کنگھی کر کے اس کی مینڈھیاں گوندھ ڈالیں اور سر پر خوب صورت سا ڈاک بنگلہ بنا دیا۔ اتنا دلاسا دیے جانے کے باوجود رانو کانپ رہی تھی، رو رہی تھی۔

بچے ناسمجھی کے عالم میں چپ تھے اور سوچ رہے تھے، آج ان کی ماں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ بڑی ان کے گلے میں اپنی لانبی لانبی باہیں ڈالتی ہوئی، چپ کرانے کے بہانے انہیں رلا رہی تھی اور پھر، جیسا کہ بندوبست کیا گیا تھا، سب بچوں کو چنوں موسی کے گھر بھیج دیا گیا۔

آنگن میں بیٹھی کی میلی سی چادر تنی تھی جس کے نیچے کچھ گھڑے رکھے تھے۔ ایک طرف پرانی سے کائی ماری ٹھلیا پڑی تھی اور ان سب پر سیندور مچل رہا تھا۔ رانو کو لاکر جب چادر کے نیچے بٹھایا گیا تو اس نے ایک دل دوز چیخ ماری: "مرنے والے! آ دیکھ، کیا ہو رہا ہے تیری رانی کے ساتھ۔"

پروہت نے کہا: "لڑکا کہاں ہے؟"

پنڈت گیان چند، کیسر سنگھ اور دوسرے لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ تو اسے زبردستی پکڑ کر لائے تھے اور چارپائی کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ مہر کرم دین، جو اس رسم و رواج سے ذرا پرے ہٹ کر بیٹھا تھا، ڈھونڈتا ہوا اندر گیا اور انہی پیروں لوٹتے ہوئے بولا: منگو تو اندر نہیں ہے!"

اس دن اتر سے آنے والی ہوا، طنابوں کی مدد سے ایک طرف بکائن اور دوسری طرف روشندان کی سلاخوں سے بندھی ہوئی چادر کو پھڑ پھڑا رہی تھی، مفت کی دف بجا رہی تھی۔

چادر کے نیچے رسیوں کے ساتھ ساتھ بندھی ہوئی کاٹھ کی چڑیاں لہراتی ہوئی چوں چوں کرنے لگیں۔ کچھ دور تنور کے پاس، اس کی مخمل میں لیٹے ہوئے ڈبو نے اپنی ٹانگوں میں دبائی ہوئی گردن اٹھائی اور مشکوک انداز میں اس پورے منظر کو دیکھنے لگا۔ وہ اب تک بوڑھا اور نحیف ہو چکا تھا۔ نہ زیادہ روشنی برداشت کر سکتا تھا اور نہ شور۔ وہ گاؤں کے مرد

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

عورتوں کی بے طور حرکتیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اندازے ہی کے ساتھ دشمن پہ بھوں بھوں کرنے لگا۔

"میں تو جانتا ہوں' وہ نطفہ ----" حضور سنگھ نے کہنا شروع کیا۔

"وڑ ذر!" جنداں حضور سنگھ کو پھٹکارتے ہوئے بولی۔ "سوائے بکتے رہنے کے اور کوئی کام ہی نہیں۔" اور وہ اپنی مردہ' بے نور سی آنکھوں سے اس جھگٹے کی طرف دیکھنے اور سنسنانے لگی۔ وہ نہ جانتی تھی اب آسمان سے اگلی کون سی بلا نازل ہونے والی ہے؟ چونکہ اس کی آنکھیں دھندلی تھیں اس لئے اپنے مقتول بیٹے کی شکل اور بھی مکمل کر اس کے سامنے آرہی تھی۔

"ٹھہر اوئے باہمنا!" نمبردار تارا سنگھ نے پروہت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "میں لاتا ہوں اس ماں کے یار کو پکڑ کے۔"

"ہاں!" کیسر سنگھ نے حامی بھری: "اس کی میں بہن کے بیاہ میں جوتے کھاتا پھوں۔"

"ہم سب چلتے ہیں۔" بکو بھی تیار ہو گیا۔

دیوانا بولا: "اتنے جوتے پڑے' اس پہ بھی بھاگ گیا!"

گویا اس سے پہلے' اسے "ٹھیک کرنے" "سیدھے راستے لانے" کے سلسلے میں گاؤں کے لوگ اس سے "ٹیڑھے" ہو چکے تھے۔ وہ تو چاہتے تھے اس کی ایک آدھ ٹانگ ہی توڑ دی جائے تاکہ چادر کے نیچے آکر بیٹھے تو پھر ہل ہی نہ سکے۔ چھ سات آدمی ہاتھ میں لٹھیں اور گنڈاسے لئے ہوئے باہر لپکے اور گیان چند سرپنچ' قانون کا سرسری محافظ' صرف دکھاوے کے لئے منع کرتا' شور مچاتا ہوا سب سے پیچھے ------ وہاں صرف عورتیں ہی رہ گئیں جن میں سرا دائی بھی تھی جو منگل کو اس دنیا میں لائی تھی۔

مردوں کو یوں نکلتے دیکھ کر رانو واویلا کرنے لگی:

"چھوڑ دو۔ ہائے نی! مجھے چھوڑ دو' میں نہیں بچوں گی۔" اور یہ سب ٹھیک ہی معلوم ہو رہا تھا۔ رانو پیچھے کی طرف گری اور بے ہوش گئی۔ عورتیں اسی شادی کے لئے رکھے ہوئے گھڑوں میں سے پانی انڈیل انڈیل کر رانو کے منہ پر چھینٹے دینے' اسے ہوش میں لانے لگیں۔ گویا وہ کہہ رہی تھیں' اس نے موت دیکھی ہے تو اب شادی بھی دیکھے۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

منگل کو لوگوں نے فارم کی ساتویں کپاس میں جا پکڑا۔ وہ پہلے ہی بہت سی مار کھا چکنے کے بعد نڈھال ہو چکا تھا' اب دہشت سے اور بھی نیم جان ہو گیا۔ وہ چاہتا تو اکالے کر ہمیشہ کی طرح سڑاہ یا ستوکی کی طرف نکل جاتا لیکن شومئی قسمت' اس مرزے کی بکی کو بھی استہزا کی صاحباں نے "ڈھنگ" دیا تھا۔ بکی اپنی بندھی ہوئی اگاڑی کے ساتھ کچھ فاصلے پر کھڑی ہری ہری چری اور موٹھ کھا رہی تھی اور موقع پڑنے پر ساتھ والے کھیت میں لہلہاتی ہوئی گوار کو بھی منہ مار لیتی۔ گاؤں والوں نے ممکنات کا خیال رکھتے ہوئے بکی کے پاؤں میں لوہے کا یہ بڑا' موٹا سا سنگل ڈال دیا تھا اور اس پر علی گڑھ کا تالا' اور اب وہ بے فکر ہو چکے تھے۔ منگل کا خیال تھا اس کے یار غار: نواب' اسماعیل اور گورداس وغیرہ اسے اس سانحے سے بچائیں گے' لیکن اسے کیا معلوم کہ وہ بے غیرت بھی کوٹلے کے باقی لوگوں کے ساتھ مل جائیں گے اور بار بار یہی کہیں گے: "آخر عورت ہی کی بات ہے نا یار! کوئی موت کی تو نہیں۔"

منگل جہاں چھپا تھا وہاں سے دو ہاتھ دور خانقاہ والا کنواں تھا جہاں آج سے چند ہی برس پہلے منگل کے بڑے بھائی تکوکے کا قتل ہوا تھا۔ جب شام کے وقت' سے سے پہلے ہی گھپ اندھیرا ہو گیا تھا اور ایک دن پہلے سورج نے زمین کی بکائن پر خون کے چھینٹے پھینک دیے تھے۔ اس مٹی سے اب بھی خون کی بو آرہی تھی۔

منگل کپاس کے بغل میں ایک تنگ و تاریک "کڑھ" میں بیٹھا شک اور وسوسے میں بٹا پھٹی پھٹی آنکھوں سے باہر دیکھ رہا تھا جب گاؤں کے لوگ پہنچ گئے۔ سردیوں کے موسم میں کبھی کبھی کوٹلہ گاؤں میں کوئی بھیڑیا یا جنگلی سور آنکلتا تھا اور لوگ اسی طرح لاٹھیاں اور چھویاں' لوکے اور گنڈاسے لے کر اسے گھیرنے' مارنے کے لئے نکل جاتے تھے' اور آخر اسی وقت دم لیتے جب گھرے ہوئے جانور کے پرخچے اڑ جاتے۔

لوگ آکر سامنے کھڑے ہو گئے۔ منگل کوٹھڑی میں دو ہاتھوں کے بل جھکا' دہشت کے عالم میں سب کو دیکھتا ہوا' سچ مچ ایک جنگلی سور معلوم ہو رہا تھا۔ وہ نہتا تھا اور باقی سب کے سب مسلح۔ کہاں تو لوگوں نے شور سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا اور کہاں وہ اب آکر سامنے کھڑے ایکا ایکی چپ ہو گئے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے' گھور رہے تھے! دیکھیں پہلا وار کون کرتا ہے؟ شکار کس طرف لپکتا ہے؟

منگل کا نرخرہ کانپنے لگا اور لوگوں کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد منگل نے ذرا سی جنبش کی۔ لوگوں نے ایک دم خائف ہو کر خالی زمین ہی پر لاٹھیاں برسانی اور نوکے چلانے شروع کر دیے۔ ایک شدید ڈر نے ان میں ایسا جوش' ایسی طاقت بھر دی کہ زمین میں بڑے بڑے شگاف ہو گئے۔

ایک بار پھر وہی ایکا ایکی چپ' ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ شکار اور شکاری! منگل کے اپنے دوست' اپنے ساتھی' اکے والے گورو داس نے جی کڑا کیا اور آگے بڑھتے ہوئے بولا:

"دیکھتا ہوں یار کون سا جگا ہے؟"

گورو داس کے بڑھنے کی دیر تھی کہ کیسر سنگھ' بکو' تراب' اسماعیل سب جھپٹ پڑے۔ ان کے جھپٹنے کی دیر تھی کہ منگل نرغے میں سے نکلنے کے لئے لپکا۔ پھر تداول' ہراول اور قلب' سب طرف سے لوگوں نے اسے آلیا۔ جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی' لاٹھی' جس کے ہاتھ میں جوتا تھا' جوتا' منگل پر برسانے لگا۔ اگر وہ کچھ کرتا تو گنڈاسے اور نوکے بھی تھے۔

شور شرابا سن کر راہ گیر جمع ہو گئے۔ منگل کو بالوں سے پکڑ کر بیچ کھیتوں اور کھلیانوں کے گھسیٹا جا رہا تھا۔ سکھ ہونے کے ناطے نمبردار تارا سنگھ یا کیسر سنگھ کا فرض تھا کہ بالوں کو بے حرمتی سے بچاتے لیکن یہ کسب کرنے میں وہی پیش پیش تھے اور اس میں ایک مزا اور انتقام لے رہے تھے۔ گھسیٹے جانے کی اذیت سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے منگل کچھ دور تک اپنی مرضی سے ساتھ چل لیتا' لیکن پھر پیچھے کی طرف کھنچنے لگتا جیسے کسی اڑیل ٹٹو کو پانی پلانے لے جا رہے ہوں۔ اس کے بدن' پھٹے ہوئے کپڑوں' لمبے لمبے کیسوں اور داڑھی میں دھر کوٹنے کی جھاڑیاں' کپاس کی من چھٹیاں' مکئی کے ٹانڈے' خشک آک میں سے اڑنے دا بڈھی مائیاں اور نہ جانے کیا کیا کچھ گھستا آ رہا تھا۔

جوہڑ اور دھرم شالہ کے بیچ تک پہنچتے پہنچتے یہ جلوس خاصا بڑا ہو گیا۔ مسافر سڑک کے ایک طرف رک کر حیرانی سے دیکھنے لگے۔ کیکر کی باڑ کے پیچھے سے اچک کر ایک راہ گیر عورت نے گاؤں کی ایک مٹیار سے پوچھا:

"ہائے ہائے نی سکھو' یہ کیا ہو رہا ہے؟"

سکھو نے عورت کی طرف اس نظر سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو: "ہو ہائے' بے بے! اتنی سیانی ہو کے تو یہ بھی نہیں جانتی؟" اور بولی: "شادی!" اور پھر وہ لوٹ کر یوں دیکھنے

لگی جیسے کوئی بات ہی نہیں۔

کوٹلے سے دور' ویشنو دیوی کے پہاڑ کا خاکہ اب بھی دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ اس وقت ضرور وہاں بے شمار جاتری پہاڑ کی پرکما کرتے ہوئے جا رہے ہوں گے کیونکہ اسی پورنما کو ویشنو دیوی میں جاتریوں کا اکٹھ تھا۔ وہ ضرور ڈھولکیاں' چھینے بجاتے ہوئے گا رہے ہوں گے۔ بچانا ہے تو بچا لو امبا جی! پاپیوں کے بچانے کی کیی بلا ہے۔ گاتے بجاتے ہوئے انھوں نے ضرور دکھن کی طرف دیکھا ہو گا اور ضرور ان کی نظریں کوٹلہ گاؤں کے دھندلکے' اندھیارے سے ٹکرا کر لوٹ گئی ہوں گی۔

گاؤں کے باہر ہی ایک نشیب تھا جو سرپنچ گیان چند اور اس کے مزدوروں سے پاٹا رہ گیا تھا جس میں منگل' مار کھاتا ہوا منگل' بے سدھ ہو کر گر گیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں بڑی بڑی کسیوں اور کدالوں سے کھدائی کر کے جوہڑ کے پانی کو اندر لایا جاتا تھا اور پھر مٹی کی گول گول ٹنڈوں کی مدد سے اوپر جہلم ارین کی کیاریوں کی آبیاری کی جاتی تھی جس کی وجہ سے اس کی کھیتیاں سدا بہار رہتی تھیں۔ پھر ان پر پھوانہہ کی سنساتی ہوئی چھاؤں' جس میں بے شمار مسافر ستا چکے تھے۔ اس وقت کچھ دنوں کے لئے بند باندھ کر پانی کو روک دیا گیا تھا۔ لیکن منگل کے چاروں شانے چت اس میں گرنے سے بند ٹوٹ گیا اور جوہڑ کے پانی کے لئے راستہ بن گیا اور پانی تیزی کے ساتھ اندر آنے لگا۔ اس سے پہلے کہ لوگ منگل کو اٹھاتے اس کے کپڑے پانی سے گیلے اور منہ کیچ میں لت پت ہو چکا تھا۔ منگل نے کئی بار اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن آٹھ دس مضبوط بازوؤں کی جوڑیاں اپنے گرد پا کر وہ شرابی کی طرح بنکارتا ہوا راستے پر ہو لیا۔

عجیب سا دولہا تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور سر پر پگڑی ندارد۔ ہاتھ میں کند سی کرپان' سہروں کی جگہ جھاڑیاں اور کانٹے' کیسر کے چھینٹوں کی جگہ کیچ کے لودے' آنکھوں میں محبت کے نشے کی بجائے نفرت' ندامت اور ہزیمت کے آنسو اور گدلا پن۔ اور عجیب سی برات' جیسے شیو جی پاروتی کو لینے آئے ہوں۔ گلے میں رودر اکش کی مالائیں' اور سانپ' منہ میں دھتورہ اور بھانگ' کمر میں لنگوٹ اور کاندھے پر مرگ چھالا اور ہاتھوں میں ترشول۔ براتی بندر اور لنگور' شیر اور چیتے اور ہاتھی --- اس پر شہنائی کے بجائے ایک عجیب طرح کی کاہش اور خواہش' وحشت اور شہوت پیدا کرنے والی کتا مکھی کی بھنبھناہٹ اور آنے کی

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

مشین کی کو کو ـــــ کو ـــــ کو!

جب منگل کو رانو کے ساتھ بٹھایا گیا تو وہ لہو لہان تھا اور رانو مکمل طور پر بے ہوش' لیکن سب عورتوں کو یقین تھا' آخر میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اگرچہ چادر کی رسم معمولی ہوتی ہے اور اس میں بہت کچھ نہیں کیا جاتا لیکن یہاں چنوں اور پورن دئی اور ودیا اور گی اور چنڈی نے مل کر ایک پوری شادی کا سامان کر دیا تھا' ورنہ وہ سب ضائع ہو جاتا۔ لڑکا عام طور پر لڑکی کے یہاں جا کر اسے بیاہ کر لاتا ہے لیکن اس وقت لڑکی کا مائیکہ بھی یہیں تھا اور سسرال بھی یہیں' آگا بھی یہیں پیچھا بھی یہیں۔ پورن دئی باہمنی' ودیا اور کچھ دوسری عورتیں' لڑکی کے ماں باپ' مائیکے کی طرف سے ہو گئیں۔ چند' چنوں' سروپو' چنڈی اور سرا سسرال کی طرف سے۔ سب ایک دوسرے کی سمدھنیں بنی' آمنے سامنے صف آرا ہو گئیں جیسے کوئی لڑائی لڑنے جا رہی ہوں۔ ماں کی حیثیت سے جنداں نے اپنے تقریباً پوپلے سے منہ کو جنبش دی اور "گھوڑی" گانا شروع کی:

"ارے بنے!

چھوٹی چھوٹی بوندیاں مینہ برس رہا ہے
ساگن ماں تیرے شگن منا رہی ہے

اور پھر اس نے ہاتھ اونچا کر کے چنوں' سروپو اور سرا وغیرہ کی طرف اشارہ کیا جو ایک ہی ساتھ شروع ہو گئیں:

"بہن ساگن تیری گھوڑی کی باگ پکڑے ہوئے ہے' بنے!
بھابھی ساگن سرمہ ڈال رہی ہے
اور باپ تیرا' زر کی تھیلی کا منہ کھولے کھڑا ہے!"

اسی وقت بڑی' بھائیوں کی قطار لئے چھت پہ چلی آئی۔ چھوٹا چنوں پیچھے آنے اور باجا سننے پر مچل رہا تھا۔ بڑی اسے منع کرتی' مارتی رہی۔ لیکن اس کا اپنا جی وہ سب کچھ دیکھنے سننے کو چاہ رہا تھا۔ چنوں موسی کے ہاں سے نکلنے' کوٹھے پر آنے کی دیر تھی کہ سب ہی پیچھے آگے اور منڈیر پر کھڑے ہو کر اپنی ماں کی شادی دیکھنے لگے۔ بڑی پہلے آٹھ آٹھ آنسو روئی اور پھر دہاں کا رنگ دیکھ کر ایک بچی کی طرح سب کچھ بھول کر' نیچے کی طرف سرکنے لگی۔ ودیا نے چلا کر کہا: "انیو! ـــــ گاتی کیوں نہیں ہو؟" اس پہ سب نے اپنی اپنی آواز بلند

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

کی۔ تارا سنگھ' گیان چند' دیوانا' کیسر سنگھ' بگو' رلدو' ولا' جمالا اور گاؤں کے معلی' جو کچھ دور کھڑے چور آنکھوں سے دیکھ رہے تھے' ایک دم بول اٹھے: "گاؤ! گاؤ نا۔" اتنے میں رانو کو ہوش آگیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے' کیا مرد اور کیا عورت' سب کو دیکھنے لگی' جیسا کہ دلہن کبھی نہیں کرتی۔ ودیا نے گیت اٹھایا اور پھر باقی بھی سب کی سب شامل ہو گئیں:

"پیلی پیلی دال تیری گھوڑی چرے۔
اور میرا بنا ـــــ لپک کر گھوڑی پر سوار ہو
اور چھوٹی سی بنو کو لے کے محلوں میں آئے۔"

اور پھر منظر لڑکی والوں کے ہاں پہنچ گیا۔ پورن دئی نے سہاگ شروع کئے' رانی کے باپ کو خطاب کرتے ہوئے:

بابل! تجھے نیند پیاری ہے؟
ارے! گھر میں کنیا کنواری ہے!
سندر بیٹی تیری بر مانگتی ہے' در مانگتی ہے' اچھا سا گھر مانگتی ہے!

اوپر کسی نے منہ پر مٹھی گول کر کے باجے کی سی آواز نکال دی۔ بس پھر کیا تھا' سب سمجھ گئے برات آگئی۔ خوب خوب دھما چوکڑی مچی۔ گاؤں کے سب بوڑھے بچے' مرد عورتیں سامنے کھلے میدان میں' کنویں کے من پر' کوٹھوں کی چھت پر' درختوں کے اوپر' یہاں وہاں' سب جگہ پہنچ کر بیٹھ گئے۔ پورن دئی اور اس کی طرار ساتھن ودیا نے برات کی طرف اشارہ کر کے آئے ہوئے مہمانوں کو بندر سور' بھڑوے اور جانے کیا کچھ کہا اور ایسا کرنے میں ہاتھ اپنے اپنے مردوں کی طرف اٹھا دیئے جس پر خوب ہی کھل پڑی۔ سمدھیاں ناچیں' دونیاں تھرکیں۔ جب ہی پورن دئی نے اپنی بانہہ الاری اور وہ نظارہ گاؤں کے لوگ آج تک نہیں بھولے کیوں کہ چولی کے نیچے سے پورو کی ولایتی انگیا نے آنکھیں ماری تھیں۔ پھر اس نے ودیا کے ساتھ مل کر کئی نمکین اور مرچیلی سٹھنیاں دی تھیں:

"پودینے کی کرو کڑاہی رے
منگل کی ماں' رنڈی کی بیٹی آئی رے
ہمارا اچھا کرارا پودینہ!"

اس پر نواب کی بیوی عائشہ' جہلم ارین اور اس کی تینوں بیٹیاں' عائشہ' عتاتی اور
سلامتی بھی شامل ہو گئیں جیسے پودینہ صرف انہی کی ملک تھی' اور سب ناچ ناچ اٹھیں :

"ہمارا اچھا کرارا پودینہ !"
مصالحوں والا پودینہ !
منگل کی بمن تھانے داروں سے چھڑائی رے
پودینے کی کرو کڑاہی رے۔"

پھر ہنسی' کھیل' کلکاریاں' جن میں مرد بھی شامل ہو گئے' بچے بھی اور بوڑھے بھی ۔ کون کس کی چوٹی کھینچ رہا تھا اور کون کس کو کلاوے میں لے رہا تھا' یہ کسی کو پتا نہ چلا۔ پورن دئی جمالے کی بانہوں میں پڑی تھی۔ اور وہی گھل مل گئی۔ ودیا سروپ کو لپٹ لپٹ رہی تھی بڑی نیچے آکر جو کھڑی ہوئی تو اسے کسی طرف سے دھکا پڑا اور آنکھ گیان چند کی جانگھوں میں جاگلی جو اسے بڑے پیار' بڑی ہی شفقت سے بھینچ رہا تھا۔

جب ہی چادر کھنچی اور شادی ہو گئی ------ ایکا ایکی سب خاموش کھڑے ہو گئے' کیوں کہ ڈولی رخصت ہونے کا سمے آگیا تھا۔ مائکے والوں نے گانا شروع کر دیا :

"بابل ! اب تیرا کیا دعویٰ ہے ؟

• دولھا کا باپ ڈولی کی ٹھیاں پکڑے کھڑا ہے' اب دعویٰ اس کا ! بھیا ! تیرا اب کیا دعویٰ ہے ؟

دولھا کا بھائی ڈولی کے بازو تھامے کھڑا ہے' اب دعویٰ اس کا ! "

اور پھر ایک واحد بین لڑکی کا :

"بابل ! طاقچوں میں میری گڑیاں بکھری ہیں لیکن مجھے کھیلنے کا چاؤ نہیں
بابل ! انگنا سہیلیاں یہاں وہاں سے مجھے ملنے آئی ہیں
لیکن مجھے ان سے بھی ملنے کا چاؤ نہیں !
ہائے روتی ماں کی انگیا بج گئی اور باپ تو دریا رو رہا ہے۔" پھر منہ دکھائی اور جگ ہنسائی' آخر سر جوڑی !

پہلے رانو کو اور پھر منگل کو پکڑ کوٹھڑی میں دھکیلتے ہوئے باہر سے تالا لگا دیا گیا جسے چنوں' دونوں جڑواں بھائی اور بڑی دیکھ رہے تھے اور اپنی آنکھیں جھپک رہے تھے۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

۷

اس رات رانو ایک بہن' بیوی اور ماں کی طرح منگل کے زخموں پر سینک کرتی رہی۔ باہر تو جا نہ سکتی تھی' اس لئے وہیں دوپٹے کو منہ میں ٹھونس کر وہ اس میں اپنے گرم گرم سانس کی دھونکنی چلاتی اور منگل کی سوجن پہ رکھ دیتی۔ اسے آرام بھی آرہا تھا اور بیچ بیچ میں وہ کراہ بھی رہا تھا۔ کبھی کبھی درد بغیر بتا دیئے' بنا خبر کئے' شعور کی تہوں میں کہیں گم ہو جاتا تو منگل کو رانو کے ہاتھ عجیب سے لگنے لگتے۔ شاید ان ہاتھوں میں رچی ہوئی مہندی کا رنگ اس اندھیرے سے بھی تیکھا تھا اور بو اس کھنے سے بھی تیز جو سردی اور گرمی کے ملاپ میں ایک دم مہک اٹھتا ہے اور پھر دل میں ایک عجیب طرح کی ان کہی' آنکھ میں عجیب طرح کے ان بہے چھوڑ کر' چند ہی دنوں میں پت جھڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔

رانو یکسر بھول چکی تھی اس کے بچے کہاں ہیں ؟ کیسے سوئے ہیں ؟ ان میں سے کسی نے کچھ پیٹ میں ڈالا بھی ہے یا نہیں ؟ ایک بار چنوں کی شبیہ لپک کر اس کی سوچ میں آئی اور پھر ویسے ہی' اپنے آپ چلی گئی۔ یہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ چنوں سے کہیں بالا تھا۔ چنوں اور اس کے ساتھ کے لاکھوں کروڑوں بالک اس کا ایک حصہ تھے' اور بس۔ کبھی بیچ میں منگل بدک کر پہلو موڑ لیتا تھا۔ پھر رانو ایک طرف جا کر بیٹھ جاتی اور دبی دبی سسکیاں لینے لگتی جو تخلیق سے پہلے ہر عورت کا مقدر ہوتی ہیں۔ ایکا ایکی اسے پیاس لگی' لیکن کھڑکی کھول کر کسی کو پانی کے لئے کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر منگل بھی اٹھ کر بیٹھ گیا اور اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایکا ایکی اس پر کوئی پاگل پن کا چکر آیا اور دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنا رہا سہا کرتا بھی پھاڑ ڈالا۔ "میں مرگئی " رانو چلائی اور اس کے پاس چلی آئی۔

"پرے ہٹ جا " منگل نے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

پچھلی رات رانو نے منگل کے پاؤں پکڑ لئے اور ان پر سر رکھتی' روتی ہوئی بولی :

"تو تو جانتا ہے منگلا ! اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

منگل جو اب تک مضمحل ہو چکا تھا بولا : "جانتا ہوں۔" اور پھر نہ جانے کس جذبے

سے اس نے رانو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اندھیرے میں مسلسل دیکھتے رہنے سے اسے پتا پتا سوئی سوئی دکھائی دینے لگی تھی۔

رانو نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رہنے دیا اور دھڑکتے ہوئے دل سے انتظار کرنے' دیکھنے لگی کہ اس کی تقدیر کا ساتھی اگلے لمحے اس مہندی رچے ہاتھ کو اپنے کرخت چھاننے والے ہاتھوں میں رہنے دیتا ہے یا جھٹک دیتا ہے؟ لیکن ایسا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ منگل کا ہاتھ جیسے اپنے آپ نیچے گر گیا اور ساتھ رانو کا بھی۔ باہر لوگ ہمیشہ کی طرح یہی سمجھتے رہے' شادی ایک مسلسل شبِ زفاف کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کچھ لوگ تو سرے ہی سے نہ جانتے تھے اور جو جانتے تھے ان لمحوں کو بھول چکے تھے جو ان پر بھی آئے تھے۔ جو تپیدگی اور ہیجان اور اہتزاز دو دلوں کے بیچ پیدا ہوا تھا' شبِ زفاف کی لذت اس کے مقابلے پہ ایسی ہی تھی جیسے کوئی مفروضہ حاتم سے مہریں مانگنے جائے' اپنے ساتھ پوری انسانیت اور اس کے وقار کو اس کے قدموں پہ جا گرائے اور اس کے عوض میں ایک دمڑی پائے' اس پر بھی دعائیں دیتا ہوا گھر چلا آئے۔

صبح جب رانو اور منگل جاگے تو کسی نے تالا کھول دیا تھا۔ منگل اٹھا' اس نے چلنے کی کوشش کی لیکن دو ہی قدم کے بعد کراہتا ہوا لوٹ آیا اور روتے ہوئے اپنے عروسی بستر پہ گر گیا۔ رانو بھاگ کر باہر پہنچی اور جا کر ماں جنداں کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہے بہو؟" جنداں بولی

اس پر رانو نے کہا: "بھنڈارے کی چابی دو ماں!"

"وہ کس لئے؟"

"ہلدی نکالنا ہے' اسے بہت مار لگی ہے۔"

جنداں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے چابیاں کھول کر رانو کو دے دیں۔ بھنڈارے کی طرف جانے کے بجائے رانو برآمدے کی طرف لپکی جہاں بچے آدھے ننگے' آدھے ڈھکے ہوئے سو رہے تھے۔ رانی نے باری باری سب کا منہ چوما اور ان کے بازوؤں' ٹانگوں میں اڑی ہوئی چادریں کھینچ کھینچ کر ان کے جسموں کو ڈھانپا۔ گلابی سے سرد ہاتھ رانو میں دیئے' سکڑے ہوئے بچے ایک تسکین کے احساس سے سیدھے ہونا شروع ہوئے۔ لیکن

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

جب رانو بڑی کے پاس پہنچی تو وہ جاگ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ رانو اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتی' بڑی نے اپنے بڑے بڑے ناخنوں سے ماں کا منہ نوچ لیا اور بولی: "جا تو اسی سے منہ کالا کروا ــــ"

رانو پر پہلے کیا کم گزری تھی کہ اس پر بیٹی نے منہ نوچ لیا۔ وہ تو بڑی کو یہ بھی نہ کہہ سکتی تھی: "بیٹی! تیرے ہی لئے تو میں نے یہ سب کیا ہے۔ اور تُو' اور تو بھی؟" لیکن اس کے پاس یہ سوچنے کی فرصت ہی کہاں تھی؟ وہ تو یہ بھی نہ سوچ سکتی تھی' اس کی بیٹی' اس کی اپنی' جسے اس نے نو مہینے پیٹ میں رکھا' ہزار اذیتیں سہہ کر آخر ایک دن جانکاہی کے عالم میں اس دنیا میں لائی' بے بسی اور میلے سے دھوتی روتی ہوئی پالا' بڑا کیا اور اب بڑی ہو کر اس نے منہ نہیں نوچا' پھول برسائے ہیں۔ رانی ایک کند اور خالی ذہن کے ساتھ اندر ہلدی لینے کے لئے چلی گئی' جسے نکال کر اس میں تیل ڈال کر توے پہ پکایا اور پھر منگل کی چوٹوں پر باندھنے کے لئے لے چلی۔ اندر پہنچی تو منگل وہاں نہ تھا۔ شاید' جب رانو اپنی ساس کے پاس تھی' وہ کہیں نکل گیا تھا۔ رانو دوڑ کر باہر دروازے تک گئی' منگل کا کہیں سایہ تک نظر نہ آیا۔ البتہ ڈبو پاس آ کر دم ہلانے' چوں چوں کرنے لگا اور اگلے پنجے اٹھا اٹھا کر رانو پہ رکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو "میں جانتا ہوں رانی! تیرے ساتھ کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہو جائے گا' آخر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

چنوں روز سویرے مندر جایا کرتی تھی اور صبح کی دودھیا خنکی میں اس کی آواز پیرتی ہوئی آیا کرتی: "منّاں تیں رام نہ جانیا رے!" لیکن آج مندر جانے کی بجائے وہ سیدھی رانو کے ہاں چلی آئی۔ رانی بھی اسے دروازے میں کھڑی مل گئی۔ چھوٹتے ہی چنوں نے پوچھا:

"کیوں رانی؟ سب سکھ ہے نا؟"

رانی چپ رہی۔

"بول نا۔" چنوں پوچھنے لگی۔ اس پر بھی جب رانی کچھ نہ بولی تو چنوں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "بول' رات کچھ ہوا؟ ہائے کیسی گھنگھنیاں منہ میں ڈالی ہیں؟"

جو گھنگھنیاں رانو نے منہ میں ڈالی تھیں' ان کے بارے میں کیسے بتاتی؟ اس کھولتے پانی کی تپش اور جلن' جس میں اس کے جذبات' ان کی کاشت اور حاصل برداشت کا دانہ

دانہ تک ابل گیا تھا' جل گیا تھا' چنوں کو کن الفاظ میں بیان کرتی ؟ نیچے دیکھتی' پھڑکتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ رانی بولی :

"رات کچھ نہیں ہوا۔"

چنوں نے غور سے رانو کے چہرے کی طرف دیکھا اور بولی :

"جھوٹ بکتی ہے ؟ ہلا (اچھا) تیرے منہ پر یہ ناخنوں کے نشان کیسے ہیں ؟"

ٹھنڈے پسینے کے قطرے رانو کے چہرے پہ چلے آئے اور وہ کچھ نہ بولی۔ کچھ دیر یوں ہی بیکار' شرمسار سی کھڑی رہنے کے بعد جیسے وہ ایکا ایکی ابل پڑی۔ "تو جو کہتی ہے چنوں ! مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو تن ڈھانپنے کے لئے دو کپڑے مانگتی تھی بھیناں ! پیٹ میں ڈالنے کے لئے دو روٹیاں۔ پتا نہیں واہگورو پرماتما کو کیا منظور ہے ؟ دیوی ماں کیا چاہتی ہے ؟ وہ اب پھر چلا گیا ہے کہیں۔"

"ہائے رام !" چنوں نے پیچھے گلی کے اندھیرے کو صاف ہوتے ہوئے دیکھا اور کہنے لگی۔ "کدھر گیا موا' تت پلتا ؟" اور پھر ایک دم کسی غلطی کا احساس کرتے ہوئے بولی "میں منہ جلی' تیرے سامنے تو اب مجھے ایسا نہیں کہنا چاہئے۔"

رانو مسکرا دی' جیسے رو رہی تھی یا رو دی' جیسے مسکرا رہی تھی۔

چنوں رانو کو دلاسا دیتے ہوئے کہنے لگی : "اس کی تو فکر نہ کر رانی ! جیسے وہ گیا ہے' بی با ! ویسے ہی آبھی جائے گا۔"

اور دوپہر کے قریب منگل سچ مچ ہی چلا آیا۔ اس نے نواب کا کرتا پہنا ہوا تھا' اسماعیل کا صافہ اور گوردداس کا گاے شاہی جوتا۔ بدن پر پٹیاں بندھی تھیں۔ اس کا خیال تھا گھر کی ہلدی ولدی سے کچھ ہونے ہوانے کا نہیں' اس لئے وہ صبح کے پہلے ہی پھیرے میں اسماعیل کے ساتھ اس کے اکے پر نکل گیا تھا اور ڈسکے کے بڑے اسپتال میں جا کر پٹی کروا آیا تھا۔ صبح سے کچھ پیٹ میں ڈالا تھا یا نہیں' خدا جانے۔ کل سے تو صرف مار کھائی تھی اور یا پھر شادی کی تھی !

دن بھر منگل کھاٹ پر بیٹھا زمین کے تنکے گنتا رہا۔ کبھی وزن میں اپنا آپا اسے ایک تنکے سے بھی ہلکا معلوم ہونے لگتا اور کبھی پوری زمین سے بھاری۔ پھر کبھی بیچ میں جھک کر' انگلی سے وہ کچی زمین پہ "اولسیاں" (قسمت کی لکیریں) کھینچنے لگتا لیکن جب انہیں گنتا تو وہ

جفت ہی آتیں' کوئی طاق نہ نکلتی۔ قسمت کہیں راستہ نہ دیتی۔ جھلا کر ہاتھ چھلاتے ہوئے اس نے اپنے بھاگوں کے سب لیکھ مٹا دیے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک اضطراری کیفیت سے چہرہ صاف کیا تو دھول منہ پر چلی آئی۔ اپنی طرف سے صفائی کے عمل میں وہ اور بھی گندا' تقدیر آلود نظر آنے لگا تھا۔

جب ہی ہاتھ اٹھا اٹھا کر وہ بکائن پر آکر بیٹھنے والے' کرخت آواز میں کائیں کائیں کرنے والے ڈھوڈروں' پہاڑی کووں کو اڑانے' گاؤں کے گولی جوگے آوارہ کتوں کو ایک نیم جان' خارش زدہ کتے پر جھپٹنے سے روکنے لگا۔ پھر ایک طرف سے کہیں آدھی درجن کے قریب کتے ایک دوسرے پر جھپٹتے' غراتے ہوئے چلے آئے جنہیں بھگاتے ہوئے منگل بول اٹھا : "میں حیران ہوں یار ! کوٹلے میں جو بھی مرتا ہے' شاید کتا ہی بن جاتا ہے۔"

کچی دیوار پر سے دور دھولا دھار اور ہمالیہ کے سلسلہ ہائے کوہ کہیں ایک دوسرے میں کھپ گئے تھے اور ان کے بیچ کہیں کہیں برف چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ان پہاڑوں سے ادھر دکن کا وہ علاقہ تھا جس کی ٹیکریوں پہ پہاڑی کے سوز نے جنم لیا تھا کیوں کہ یہاں کے عاشق اور معشوق کبھی آپس میں نہ مل سکے تھے۔ ایک اس ٹیکری پہ ہوتا تو دوسرا اس پر' اور بیچ میں دریا ---

پاپی لوگ پہاڑ دے' چتر جن کے چت
انگ ملاوا کبھی کبھی' نین ملاوا نت

اور ان کی جدائیوں کا درد راوی' چناب اور جہلم کے کنارے کنارے ہوتا ہوا وارث شاہ اور قادر یار کے صوت میں سانول اور کتھی ہار کے دل تک پہنچ گیا تھا۔ ایک ایک کر کے گزرے ہوئے واقعات منگل کے دماغ میں آنے لگے۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور مرزے کی آواز میں گنگنانے لگا۔ "تو نے برا کیا صاحباں ! جو میری کچی کی اکاڑی باندھ دی۔ میرے تیر و ترکش ٹانگ دیے' ورنہ ایک تیر سے تیرے بھائیوں کو کھیت کر دیتا اور دوسرے سے اسے جس کی تو منگیتر تھی۔"

لیکن' شاید منگل کے نگار دل کے لئے مرزا صاحباں کا وہ حصہ کافی نہ تھا چنانچہ ایک کان پہ ہاتھ رکھ کر' دوسری بانہہ الارتے ہوئے وہ گانے لگا : "حجرے شاہ فقیر سے ایک جانی عرض کرتی ہے : میں سالم بکرا تیری نیاز گزاروں اگر میرے سر کا سائیں مرجائے' پانچ

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

سات پڑوسنیں ہلاک ہو جائیں اور جو رہتی ہیں انہیں تپ آلے۔ گاؤں کے نمبردار کو بجلی پڑے جو تھانے زہت کرتا ہے۔ کراڑ بنئے کی ہاٹ جل جائے جہاں ہمیشہ دیا جلتا ہے۔ کتیا مر جائے جو دن رات چوں چوں کرتی رہتی ہے۔ گلیاں سونی ہو جائیں اور میرا محبوب بنا روک ٹوک کے آسکے۔"

یوں جی کو آسودہ کر کے منگل اندر جا کر لیٹ گیا۔ جب تک فضا میں سے کشت و خون نکل گیا تھا۔ صبحیں، دوپہریں اور شامیں ڈھلنے لگیں، جیسے وہ کوئی میلی دیواریں تھیں اور کوئی آسمان کے دریائے درد سے مشکوں پانی لے کر کرنوں کی جھاڑو سے انہیں دھو اُگال رہا تھا۔

رانو نے کھانا پکایا۔ پھر بھاگ کر چنوں کے ہاں سے تھوڑا سا گھی لے آئی اور ایک بیوی کی طرح اس کی بڑی سی مقدار روٹی پر رکھ دی۔ وہ روٹی پہ "چونگھا" نکالنے ہی والی تھی کہ کسی خیال کے آنے سے رک گئی، شرما گئی اور ہاتھ کھینچ لیا۔

کچھ دیر میں، کھانا ڈالنے کے بعد اس نے بڑی سے کہا: "جا، اسے دے آ۔"

بڑی نے نتھنے پھلا کر شانے جھٹک دیئے اور بولی: "میری جاتی ہے جوتی۔"

رانو جل ہو کر خود ہی اٹھنے والی تھی کہ پاس بیٹھا ہوا چنوں بول اٹھا: لا ماں، میں دے آتا ہوں۔"

رانو نے چنوں کی طرف دیکھا، جیسے یہ اس کا بچپن تھا، اس کی معصومیت ہی تھی جو رانو کے دکھ کو سمجھ سکتی تھی۔ یہ بچپن اور معصومیت جو کردہ و ناکردہ گناہوں سے کہیں اوپر تھے۔ رانو کا جی چاہا اسے چھاتی سے لگا لے، بھینچ لے۔ یوں بھینچ لے کہ وہ پھر سے اس کے بدن میں تحلیل ہو جائے اور اس دنیا میں نہ آئے جہاں ——— جب ہی اس نے تھالی چنوں کے آگے سرکا دی اور خود دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے بیٹھ گئی۔

یوں دن بیت گئے، مہینے بیت گئے۔ منگل کے دل میں آہستہ آہستہ ایک ذمہ داری کا احساس جیسے اپنے آپ پیدا ہونے لگا اور وہ چار چار پانچ پانچ روپے کما کر گھر لانے لگا۔ اگرچہ رانو کے ساتھ اس کا میاں بیوی کا رشتہ نہیں تھا، اس پر بھی وہ روپے لا کر ماں کے ہاتھ میں دینے کے بجائے رانو ہی کے ہاتھ میں دیتا اور رانو خوش ہو اٹھتی اور اداس بھی۔ ڈر سے ملا جلا ایک استحکام کا جذبہ اس کے دل میں جگہ پانے لگا۔ گاؤں بھر کی عورتیں، کیا چنوں اور کیا پورن دئی، کیا ودیا اور کیا سرو، سب نے "کچھ ہوا نی؟ —— نی کچھ ہوا؟"

پوچھ پوچھ کر غریب رانو کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ رانو جواب میں صرف اتنا ہی کہتی: "رہنڈیو! شکر نہیں کرتیں میرا گھر بس گیا ہے، روٹی کپڑا ملنے لگا ہے مجھے؟ اب مجھے کوئی اس گھر سے نہیں نکالے گا، کوئی میری بچی کو نہیں بیچے گا۔"

لیکن وہ سب شہد کی مکھیاں یوں ہی چھوڑنے والی تھوڑے تھیں؟ دیر تک وہ رانو کے ارد گرد بھنبھناتی رہتیں اور اس کے کولھوں میں چپے دے دے کر پوچھتیں:

"کیا مطلب؟ ساری رات وہ ایسے ہی پڑا رہتا ہے؟"

"ہاں۔"

"تو ادھر اور وہ ادھر؟"

"ہاں۔"

"تو بھی اسے بلانے کی کوشش نہیں کرتی؟"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں ناس پٹے؟ وہ تیرا وہ ہے، شادی کی ہے تیرے ساتھ، چادر ڈالی ہے تجھ پر؟"

رانو روکھی ہو اٹھتی اور بول اٹھتی: "چادر ڈالی ہے تو کیا ہوا؟ مجھے اب بھی وہ ویسے ہی لگتا ہے جیسے پہلے لگتا تھا۔"

اس پر سب بنکار اٹھتیں، "ہو ہائے! پھٹے منہ "

"در لعنت " اور پھر وہی: "تمہیں نیند کیسے آتی ہے؟"

"جیسے پہلے آتی تھی۔"

"وہ بھی سو جاتا ہے بس ایسے ہی؟"

"ہاں۔"

"رات کو اٹھتا، اکڑتا، جماہی بھی نہیں لیتا؟"

اس پر سب ہنس پڑتیں اور ایک دوسرے کو "جھپیاں" دینے لگتیں اور آخر سمجھاتیں "تو کچھ کر گشتی جانے کی نہیں تو ہاتھ سے جاتا رہے گا۔"

پورو بیچ میں بول اٹھتی: "کہو تو تجھے ایک ٹونا لا دوں؟"

"ہاں نی " ودیا ہامی بھرتی۔

"نہیں نہیں " رانو کہتی: " میں کوئی ٹونا دونا نہ کروں گی۔"

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

"تو پھر بیٹھ کے روئے گی" پورو کہتی۔

ودیا معنی خیز انداز میں پورو کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھتی۔ "تو تو نہیں روتی نا؟"

پورو ایک دن اپنی شرم اور لاج کو ایک طرف رکھتی' اپنی جوتی کی طرف اشارہ کرتی ہوئی کہتی "میری روتی ہے یہ۔ میں ٹونکا نہ لاتی' میرا شبھو پیدا نہ ہوتا تو یہی چاچا تمہارا مجھے گھر سے نکال دیتا۔" اس پر سب کھلی کپاس کی طرح ہنس ہنس پڑتیں اور پورن دئی ایک بڑی سی آنکھ پھیلا کر' سب کو چاروں طرف دکھا کر مارتی۔ تس پہ چنوں نوچھ لیتی:

"باوا ہری داس کے کتنے دن رہ گئے ؟"

جب ہی پودن دئی چنوں کو چوٹی پکڑ کر یوں کھینچتی کہ سب "میں مر گئی' ہائے میں مر گئی۔" کے ہلڑ میں ختم ہو جاتا۔

ادھر نصیبوں والے اڈے پر گورو داس' نواب اور اسماعیل منگل کی جان نہ چھوڑتے۔ اکثر پوچھتے رہتے: "کیوں پھر کیسی لگی ؟" اور منگل کا چہرہ ایک دم لال ہو اٹھتا۔ اسے یوں معلوم ہونے لگتا جیسے کسی نے اس کی ماں بہن کے بارے میں کوئی بات بے احتیاطی سے کہہ دی ہو۔ وہ چپ رہتا اور بیکار کی کے ساز میں ہلس کسنے' یا گھوڑی کو تھپکنے لگتا۔ گورو داس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ اٹھتا:

سچ پوچھو تو دوہاجن کی بڑی موج ہوتی ہے ؟"

"موج کیسی ؟" نواب لقمہ دیتا یا اسماعیل یا کوئی اور۔

"وہ پہلے ہی رسی بسی ہوتی ہے نا ؟ سب جانتی ہے۔"

اس پر سب مل کر ہاہا ہو ہو کرنے لگتے' جس کے بیچ میں منگل کی پاٹ دار آواز آتی:

"تمھو تمہاری ماں کا !" اور سب اکا ایکی چپ ہو کر منگل کی طرف دیکھنے لگتے۔ صرف گورو داس ہمت کرتا کیوں کہ وہ تن و توش کے اعتبار سے مضبوط تھا اور اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہر کسی کو سوچنا پڑتا تھا۔ وہ کہتا: "اسے ماں بنانے کے لئے بیاہ کیا ہے' اوے ؟ چادر ڈالی ہے ؟"

منگل ایک کڑی نگاہ سے اس کی طرف دیکھتا لیکن مصلحت کو بہادری سمجھ کر چپ رہتا۔ تھوڑی دیر میں گدلائی ہوئی فضا صاف ہوتی اور اسماعیل کوئی لطیفہ شروع کر دیتا یا کہتا:

"ایک سردار جی کی اکنی کیچڑ میں گر گئی ؟"

"پھر ؟ پھر کیا ہوا ؟" نواب منگل کی طرف دیکھتے' مزا لیتے ہوئے پوچھتا۔ جب ہی بیچ میں کوئی سواری چلی آتی اور نواب اس سے مخاطب ہو جاتا: "کوٹلے چلے گی مائی ؟"

"نہیں ویرا" مائی کہتی اور چلی جاتی۔ نواب پھر اسماعیل کو پکڑتا۔ "ہاں تو سردار جی کی اکنی کیچڑ میں گر گئی ؟"

"ہاں۔" وہ بیان جاری رکھتا " اور وہ کچھا پہنے ہوئے کیچ میں کود پڑے اور لگے اکنی ڈھونڈھنے' اور اوپر ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہنے "اللہ مل جائے' یا اللہ مل جائے۔" ایک مسلمین پاس سے گزرا۔ اللہ کا نام سن کر ٹھہر گیا اور بولا: "اوئے سردارا ! تو ہمارے اللہ سے کیوں کہتا ہے ؟ اپنے واہگورو سے کیوں نہیں ؟" سردار جی نے اوپر دیکھا اور بولے "اونہہ ! اکنی کے لئے واہگورو کو کیچڑ میں ڈالوں ؟"

اس پر سب کھلی مار کے ہنس دیتے۔ منگل بھی مسکرا اٹھتا اور اسماعیل اسے اجازت نامہ سمجھ کر اس کے پاس پہنچتا اور کہتا: "منگلا ! یہ ٹھیک ہے' سرداروں کے بارہ بجتے ہیں ——— ؟"

"ہاں بجتے ہیں۔" منگل اقرار کرتا۔

"تیرے بھی بجتے ہیں ؟"

"ہاں میرے بھی بجتے ہیں۔"

"پھر منگل کے "جوڑے" پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسماعیل پوچھتا: "یہاں کچھ ہوتا ہے؟"

"ہاں ہوتا ہے۔" منگل پیچھا چھڑانے کے لئے مان لیتا۔ لیکن اسماعیل اسی پر بس نہ کرتا۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہتا۔ "سن ——— یہ تمہیں دن کے بارہ بجے ہی ہوتا ہے یا رات کے بارہ بجے بھی ؟"

"دن کے۔ جو اصلی سکھ ہے' اسے تو دن کے بارہ بجے ہی ہوتا ہے۔ اتنے ہل اور گرمی کتنی پڑتی ہے۔"

"تو پھر ؟" اسماعیل کہتا۔ "وہ اپنے گاؤں کا وساکھا سکھ ہے نا ترکھان' وہ تو رات کے بارہ بجے بہت "کھرود" کرتا' شور مچاتا ہے۔"

منگل جواب دیتا: "وہ حرام جادہ جرور مسلمان سے سکھ ہوا ہو گا !"

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

اور سب مل کر چلنے لگتے۔ منگل کی آواز سب سے بلند ہوتی۔ پھر بیچ میں کوئی جاترن چلی آتی اور سب مل کر اسے لپک لیتے۔ اس کی گٹھڑی نواب کے اکے میں ہوتی ' جوتے منگل کے اکے میں اور وہ خود گوردواس کی بانہوں میں۔ اکثر ایسا ہوتا میاں ایک اکے میں ہوتا اور بیوی دوسرے میں اور بچہ تیسرے میں۔ پھر بہت ہی گالی گلوچ کے بعد سب مل کر کسی ایک کا اکا بھر کر روانہ کر دیتے اور خود دوسری سواریوں کے پیچھے بھاگنے لگتے۔ منگل کو اب عورتوں میں صرف سواری کی حد تک دلچسپی تھی۔ وہ کبھی کسی نوجوان لڑکی کو دیکھتا بھی تو ایک سرسری نظر سے' جیسے کہہ رہا ہو' "ہاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔" سلاجے میں اسے اب بھی دلچسپی تھی۔ اس لڑکی کو عورتوں کی ڈاک سے پتہ چل گیا تھا کہ منگل اور اس کی بیوی میں ابھی تک کچھ وہ نہیں ہوا۔ وہ اور بن سنور کر اس کے سامنے آتی اور سیروں کے اشارے کرتی' لیکن اندر سے وہ جلی بیٹھی تھی۔ اس نے فیصلہ کر رکھا تھا' ایک دن منگل کو اپنے چنگل میں پھنساؤں گی' دھارے کے پیچھے کپڑے اترواؤں گی' اور جب وہ ہاتھ بڑھائے گا تو شور مچا دوں گی اور اس کی وہ بے عزتی کرواؤں گی کہ یاد ہی کرے۔ اب جب کہ وہ بیوی والا ہو چکا ہے' اس کا منہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کالا ہو جائے گا۔

اس دن نصیبوں والے اڈے پہ منگل نے نواب کے ساتھ پی لی لیکن ڈرتے ڈرتے۔ اپنے بھائی کے زمانے میں تو وہ بوتلیں لنڈھایا کرتا تھا' لیکن اب وہ ڈرتا تھا۔ اسے پینے کی خواہش تھی لیکن یوں بے تکے پن سے نہیں۔

رانو بھی عام عورتوں کی طرح تھی جو شادی کے پہلے ہی روز سے اپنے شوہروں کے چہرے دیکھنا سیکھ جاتی ہیں۔ اس پر آنے والے ایک ایک شکن کو جاننے پہچاننے لگتی ہیں۔ جب ان کا مرد کوئی گناہ کر کے آتا ہے تو انہیں لا محالہ پتہ چل جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کچھ نہیں کہتیں۔ باتیں کرنے میں وہ ان کی زیر زبر دیکھ لیتی ہیں بلکہ چوکھٹ کے اندر پہلا ہی قدم ان کی پوری جاتک' پوری الف لیلہ ان کے سامنے دھرا دیتا ہے۔ اس سے پہلے بھی منگل نے دو چار بار پی لی تھی اور وہ جان گئی تھی۔ منگل کو بھی معلوم تھا کہ وہ جان گئی ہے۔ لیکن اس پر بھی خاموشی کا پردہ پڑا رہا اور ایسے ہی نبھتی رہی۔

جوں جوں دن بیتنے لگے' گاؤں کی عورتیں' رانو کو ڈانٹنے ڈپٹنے لگیں۔ اور وہ سوچنے لگی' شاید یہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔ وہ ڈرنے لگی' اپنے مستقبل سے' اپنے بچوں کے

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

مستقبل سے کیوں کہ بیچ بیچ میں منگل الف ہو اٹھتا تھا: "ہٹاؤ یہ سب ——— کیا تماشہ بنا رکھا ہے۔"

اور رانو کانپ جاتی۔ وہ منگل کو کچھ بھی تو نہ کہہ سکتی تھی۔ اس پر اس کا حق ہی کیا تھا ؟ نہیں نہیں' حق تو تھا ——— پنچایت کی موجودگی میں' گاؤں کے سب مرد عورتوں کی گواہی میں' اس نے مجھ پر چادر ڈالی تھی۔ سوچیں تو حق بھی ہے اور نہیں۔ چادر کا کیا ہے ؟ اڑھائی تین گز کا کپڑا۔ ایسا کہیں تو شادی کے پھیرے بھی کیا ہیں ؟ یہ سب ٹھیک ہے۔ نہیں' کچھ بھی ٹھیک نہیں بھی۔ ٹوکا بھی تو تھا' اس سے وہ اتنی خائف نہ رہا کرتی تھی۔ جو منہ میں آتا' دھڑ سے کہہ ڈالتی' چاہے بعد میں مار ہی کھاتی۔ میں اسے کیوں نہیں کچھ بھی کہہ سکتی ؟ منگل رانو پر انگلی بھی نہ اٹھاتا تھا۔ سوائے رات کے اس جگہ پر کھڑا بھی نہ ہوتا جہاں رانو کی پرچھائیں پڑتیں۔ پھر بھی ؟ اس کا کیا مطلب ؟ چلو اچھا ہی ہے' مار تو نہیں پڑتی' ہڈیوں کو سینک تو نہیں کرنا پڑتا' لیکن ——— بہت دنوں تک سوچتے رہنے کے بعد رانو سمجھ گئی کہ وہ منگل کو کیوں کچھ نہیں کہہ سکتی ؟ دوسری عورتیں جو اناپ شناپ منہ میں آئے بک دیتی ہیں۔ دن چڑھا' رات زیور کچھ نہ کچھ مانگتی ہی رہتی ہیں اور اسے لاکے دینا پڑتا ہے۔

آج دن کچھ اندر باہر تھا جب منگل قصبے سے لوٹا۔ سورج کی روشنی ابھی آسمان پر ہونے سے اشٹم کا بے نور چاند سفید سی پتنگ کی طرح ایک کیکر میں الجھا ہوا تھا۔ اور اب اکے کے ساتھ ساتھ بھاگتا ہوا سانہیوں کی ٹہنی کے اوپر' آسمان کے کھلے میدان میں جا کر ساکت ہو گیا' جہاں منگل اپنا اکا رکھ دیا کرتا تھا اور بکی کو تھوڑا چارہ وارہ ڈال کر گھر چلا آتا ——— پھر لوٹ آنے' اسے کھرا کرنے اور دانہ ڈالنے کے لئے۔ باقی کا کام اگلی سویر پہ ٹلتی۔

اکا اور بکی کا بندوبست کرنے کے بعد منگل لوٹا۔ جہاں وہ اکا کھڑا کیا کرتا تھا وہاں سے دائیں طرف فارم کی پندرہ پندرہ فٹ اونچی ایکھ کھڑی تھی جس کے بیچ میں سے چیونٹی بھی نہ گزر سکتی تھی۔ البتہ جھینگر' دن بھر اپنی ہی دم میں سے لیس نکال کر ایک تار سا بناتے اور جھولتے جھلاتے ایک گنے سے دوسرے گنے تک پہنچ جاتے اور پھر اس کے رس میں ڈوب کر اگلے گنے کے پاس۔ بائیں طرف مکان شروع ہوتے تھے جن میں سب سے ادھر مدرسہ

تھا اور اس کے ساتھ والا مکان جُملم ارین کا جس کے ادھر جا کر اب چاند ختم گیا تھا۔

فضا میں سے ایک قسم کی خوشبو آ رہی تھی۔ منگل جانتا تھا وہ خوشبو کیسی ہے؟ بات یہ تھی گاؤں کے کسان ہر سال اسی مہینے رس نکالتے' گڑ بناتے اور ایکھ کے بیچ میں تھوڑی سی جگہ خالی کر کے' زمین کھود کے گڑ سے بھرا ہوا مٹکا اس میں رکھ دیتے اور کیکر کی چھال اس میں ڈال کر اوپر گوبر اور گھوڑی کی لید ڈال دیتے۔ کچھ دن میں مٹکا چلنے "ہبولنے" لگتا اور بو بڑ کرتی ہوئی شراب مٹکوں سے باہر چلی آتی' ہوا میں بس جاتی' فضا مکدر ہو اٹھتی اور معطر بھی۔

اب بھادوں اسوج میں ڈھل رہا تھا جب کہ گرم ہوا اور لو کے عادی جسم سرد ہوا کا ایک بھی جھونکا برداشت نہیں کر سکتے۔ ایک عجیب طرح کی چبھن اور کاہش انسان کے دل کے اندر پیدا ہونے لگتی ہے۔ نہ آدمی چادر اوڑھ سکتا ہے' نہ چھوڑ سکتا ہے —— عورتیں کسی خیالی کپکپی سے اثر پذیر ہو کر سب گوڈر اور روئی اندر سے نکال لاتی ہیں اور پھر دھنئے کو بلوا' اس سے دھنوا' نئے لحافوں میں بھرتی' ان پہ کالے سوت کے "تگندے" ڈالتی لمبی تان کے سو جاتی ہیں —— سردیوں کے لئے تیار۔ اب ان کے لئے چاہے کہر پڑے یا برف لیکن مردوں کو ٹھنڈی ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ ایک اذیت ہوتی ہے۔ ان کے جسم ایک دم سیاہ اور سرخ ہو اٹھتے ہیں اور مسام اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر مقابل کے مساموں سے ان گنت بار جفت ہونے کے لئے چل نکلتے ہیں۔ مرد کا پورا جسم ایک بھنیز سانپ کی طرح پھنکارنے لگتا ہے۔

منگل گھر کی طرف قدم اٹھانے ہی والا تھا کہ بائیں طرف چھت پر سے آواز آئی "منگلا وے۔"

منگل نے اوپر دیکھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں اشٹم کا چاند آکر رک گیا تھا۔ سلامتے کھڑی تھی اور اس کے دھندلے سے نقش دکھائی دے رہے تھے۔ ایسے نقش جو اچھے بھلے آدمی کو پاگل بنا دیتے ہیں کیوں کہ وہ پورے نظر نہیں آتے۔ سلامتے نے کہا: "ٹھہر وے' مجھے تجھ سے کام ہے۔"

منگل جامد و ساکت رہ گیا۔ اس کے بدن میں اس وقت ایک ہی چیز حرکت کر رہی تھی۔ اس کا دل' جس نے تمام تر سکوت کی کسر نکال دی۔ سلامتی ادھر سے آ رہی تھی جس

طرف لکڑی کی سیڑھی جملم کے گھر میں اترنے کی بجائے باہر اترتی تھی' جس پر آزادانہ اتر چڑھ کر عنایتی اور سلامتی اور جملم لال لال مرچیں سوکھنے کے لئے ڈالا کرتیں۔ جتنا آدمی پوری زندگی میں کرتا ہے' اتنا منگل نے سلامتی کے کوٹھے پر سے اپنے آپ تک پہنچنے میں سوچ ڈالا۔ سلامتی آکر منگل سے کچھ دور کھڑی ہو گئی' چپ چاپ!

منگل نے پوچھا: "کیا بات ہے سلامتے؟"

"کچھ نہیں" سلامتی بولی۔ اس کی آواز میں شکایتیں تھیں' حکایتیں تھیں اور آنسو تھے۔ گویا وہ کہہ رہی تھی: "تیرے سامنے بیٹھ کے روؤں گی لیکن دکھ تجھے نہیں بتاؤں گی۔"

"بتا نا" منگل نے کچھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

سلامتی تھوڑا پیچھے ہٹ گئی' جیسے وہ ڈر گئی تھی۔

"پرے پرے" سلامتی بولی۔

ایک خوشبو اڑ کر سلامتی کی طرف سے آئی۔ یہ خوشبو گاؤں کی خوشبوؤں میں سے نہ تھی' کیونکہ ان خوشبوؤں سے منگل کے مشام پوری طرح سے واقف تھے۔ یہ شہر کی خوشبوؤں میں سے تھی جو محبت کو ایک قسم کی گوارا سی عفونت دے دیتی ہیں' بخلاف اس پسینے اور غلاظت کی بدبو کے جو تندرست بدنوں کی ناتمام محبت اور اس کی تب و تاب میں صندل ہو جاتی ہے۔ منگل کے دل میں اواخر بھادوں کی ہواؤں سے جو شعلہ ایکا ایکی بھڑک اٹھا تھا' اس "پرے پرے" سے اور بھی لپک اٹھا۔ سلامتی کے رکھ رکھاؤ کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور بولا:

"تو مجھ سے ڈرتی ہے؟"

"ہاں۔" سلامتی بولی۔ "یاد نہیں اس دن؟"

"یاد ہے" منگل بولا۔ "پر سب دن ایک سے تھوڑے ہوتے ہیں سلامتے؟" اور وہ آگے بڑھ گیا۔ سلامتی پیچھے ہٹتی' "نہیں' نہیں' نہیں' نہیں" کہتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔ اس نے سوچ رکھا تھا' منگل کے ہاتھ پکڑتے ہی شور مچا دے گی اور اسے پکڑوا کر اپنی بے عزتی کا بدلہ لے گی۔ ایک لمحے کے لئے اسے خیال آیا اگر یہ ریچھ کا بچہ اس ایک جست کے فاصلے کو' جو اس کے اور منگل کے بیچ رہ گیا تھا' پار کر کے اسے پکڑ لے اور اس کا منہ بند کر لے یا منہ کو بالوں سے بھرپور چھاتی میں بھینچ

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

لے تو وہ کیا کرے گی؟ اس کی ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جائے گی —— اور وہ ریچھ، آہستہ مگر یقیناً اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سلامتی کی آواز گلے میں اٹک گئی۔ وہ کانپ رہی تھی اور نہ جانتی تھی منگل پر بھی کوئی لرزہ چھا رہا ہے۔ صرف ایک قدم، اور سلامتی کے لئے اب سب کچھ ناممکن العمل ہو گیا تھا۔ دونوں برابر، آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں کو تلاش کر رہے تھے، دو بلوں کی طرح اندھیرے میں گھور رہے تھے۔ ایسے میں صرف عورت کا دماغ کام کرتا ہے، مرد کا نہیں۔ جیسے پھر مرد کا کرتا ہے، عورت کا نہیں۔ اس ایک قدم کے فاصلے کو منگل کی بجائے سلامتی نے پاٹ لیا اور اچک کر منگل سے چمٹ گئی۔ اس نے من جانے کے انداز سے منگل کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کا جارحانہ عمل روک لیا، منگل ایک بیٹھی سی آواز میں بولا۔ "بولو، کیا کام تھا؟"

"کچھ نہیں۔" سلامتی بولی۔ "سوچا تھا ملے گا تو تجھ سے کہوں گی: —— اڑیا جتھے تیرے مل وگدے، اوتھے لے چل چرکھا میرا۔" اور پھر وہ ہنس دی۔

منگل نے پھر ہاتھ آگے بڑھائے۔ سلامتی بولی: "پاگل ہو گیا ہے! یہ بھی کوئی وقت ہے، جگہ ہے؟"

"نہیں، نہیں۔"

"نہیں۔"

"تو پھر کب؟ کہاں؟"

سلامتی نے اکھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہاں، جب ادھر مندر میں گھنٹیاں بجیں اور مسجد میں ملا آزان دے۔"

منگل نے پہلے اکھ کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف جہاں اتر پچھم میں کچھ پھوئیں پھوئیں سے بادل جمع تھے۔ پھر سلامتی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا: "ہاں ٹھیک ہے کل ہزاری نے وہاں سے شراب کا مٹکا نکالا تھا۔" اور اس نے اکھ کی طرف اشارہ کیا: بس مٹکے دو مٹکے جتنی ہی جگہ ہے۔" اور پھر اس نے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا مگر اس کے پھڑکتے ہوئے ہاتھوں کو یقین نہ آرہا تھا، ان کے قابو میں کیا چیز آئی اور کیا نکل گئی۔ اس نے اپنے آپ میں ہمت کی بھی کمی پائی اور سوچا، آج دو گھونٹ شراب تیزاب کے اندر ہوتے تو مزہ آ جاتا، اور پھر دن بھر اکے اور دھول کے بعد اسے اپنا آپ کچھ گندہ بھی لگ

رہا تھا۔ منہ سے ماں بہن کی گالیوں کی بو آرہی تھی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ بولا: "اچھا سلامتے بھولنا نہیں۔"

"میں نہیں، تو ہی بھول جائے گا۔" سلامتی منگل کی نگاہوں کا شک دور کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔" منگل نے کہا۔

اور آدھے چاند کی رات میں منگل سلامتی کی نظروں کو دلتا ہوا چلا گیا۔ بدن میں لپکا اکی ایک تناؤ سا پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کی چال ہی بدل گئی۔ ریڑھ کی ہڈی میں کوئی سانپ لہرانا بند ہو گیا تھا اور پیچھے سے دیکھنے پہ وہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انسان نہیں، کوئی لٹھ جا رہا ہے۔

سلامتی وہیں کھڑی کھڑی اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اسے بھی بھادوں کے جھونکے لگے تھے اور اس کا بدن ہوا میں پڑے سلگتے ہوئے کوئلے کی طرح کبھی بھڑک اٹھتا اور کبھی بجھ جاتا۔ یوں معلوم ہونے لگا تھا جیسے آدھی رات کے وقت جب منگل آئے گا تو سلامتی شور مچانے، اسے پکڑوانے، پٹوا دینے کے منصوبے کو عمل میں نہیں لائے گی۔ گھر کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے اس نے اپنا تہبند کسا کہ سامنے سے عتایتی، سلامتی کی بڑی بہن آ گئی۔

"تو کہاں سے آپاں؟" سلامتی بولی۔

"سرا دائی کے ہاں سے جوشاندہ لے کر آئی ہوں۔"

جوشاندہ؟ وہ کس لئے؟"

"مرنے کے لئے۔" عتایتی نے بیزاری سے کہا۔

سلامتی کچھ نہ سمجھی۔ عتایتی نے کچھ شرماتے، کچھ مسکراتے ہوئے کہا "عورت ہونا بھی ایک لعنت ہے۔"

"ہو ہائے!" سلامتی نے کچھ بچ پاتے ہوئے کہا "روڈا پکی پڑا تو ابھی سال بھر کا بھی نہیں ہوا؟"

"اسی لئے تو یہ مار رہی ہوں۔" عتایتی نے کاڑھے کی بڑی سی پڑیا کو ماتھے کے ساتھ مارتے ہوئے کہا۔ پھر دونوں مل کر گھر کی طرف چل دیں۔ سلامتی بولی: "یہ سب کرنے سے پہلے تم نے مراد سے پوچھ لیا؟"

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

مرلو مناتی کے میاں کا نام تھا۔

"آہنہ !" مناتی نے اپنی بانہہ جھٹکتے ہوئے کہا "اس نامراد سے پوچھنے بیٹھتی تو اب تک گیارہ ہوتے۔ میرا پیٹ ہے کہ ملوک سنگھ کا آوا؟"

سلامتی کو جھرجھری سی آئی۔ وہ الفزبت کچھ نہ جانتی تھی لیکن کائنات میں مادہ تھی جس کے رحم ہوتا ہے' وضع حمل اور تولید کے نام ہی سے جس کے اندر ایک نامحسوس سی کسمساہٹ دوڑ جاتی ہے۔ سلامتی نے کہیں دور کی بات سوچی۔ آخر یہ ہوا ہے؟ یہی ہوتا ہے تو پھر؟ جب تک مناتی دروازے کے اندر پیر رکھتے جا رہی تھی' سامنے اس نے مراد' اپنے میاں کو اپنی سالی عائشہ سے چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھا اور الٹے پاؤں باہر آکر سلامتی سے بولی: "اسنے!" پھر ملا تجھے وہ بھاڈیہ لڑکا؟"

"کون؟" سلامتی نے کہا' حالانکہ جانتی تھی مناتی کہاں مار کر رہی ہے۔

ارے وہی' اکے والا منگو؟"

سلامتی نے جب تک سوچ لیا: "نہیں" وہ بولی۔

اس کے بعد اندر جا کر مناتی' عائشہ' روڈے' مراد وغیرہ کی طرف متوجہ ہو گئی — جملم پھر ترکاری کے بدلے صبح گوشت میں ڈالنے کے لئے چنے کی دال لینے گئی تھی۔

ابے کا ہمیشہ کی طرح کچھ پتہ نہ تھا۔ سلامتی ایک کھاٹ پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔ اس دن کا دھاڑنے والا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور وہ شرم اور خجالت سے لال ہو اٹھی۔ نہ جانے کیا ہو گیا مجھے۔ ایسے بھی کوئی مانتا چلا جاتا ہے کسی کی بات؟ وہ کہتا اتار دے اور بھی کچھ' تو بھی میں وہ اتار دیتی؟ پاگل! کیسے پھر گلی میں آکر کرتا پہنا اور اپنے یہ دوزخی چھپائے۔ اللہ! کوئی دیکھ لیتا تو؟

کچھ ہی دیر میں سلامتی الٹنے کھولنے لگی: "مبولا —— ہو گئی سیر' چلی جا اب' اور مجھے جانا پڑا۔ اتنی بے عزتی نہ ہوئی ہو گی کسی ماں کی بیٹی کی۔ پر جس چیز کو کہاں بے عزتی کہتی ہے' میں اسے بے عزتی نہیں کہتی۔ پھر وہ اٹھی اور ہانڈی لے کر سب کو کھلانے پلانے کے بہانے مناتی کے پاس چلی گئی اور جب سب جے تھوڑے ادھر ادھر ہوئے تو اس نے مناتی کو منگل سے اپنی ملاقات کا واقعہ بتا دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ ملنے آئے گا' مدرسے کے باہر' اکیلے میں۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

تھوڑی ہی دیر بعد مراد گاؤں کے دو چار بدمعاشوں کو لے آیا۔ اپنی غریبی' اپنے افلاس کے باوجود وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ایک کافر کسی مسلمان لڑکی کی عزت پہ ہاتھ ڈالے۔ سب نے مل کر جلدی جلدی لاٹھیاں' چھریاں اور گنڈاسے جمع کر لئے اور پھر بیٹھ کر' برسوں پہلے کے' جاترن اور تلوکے کے قتل کی باتیں کرنے لگے۔

۸

منگل نہا دھو چکا تھا اور اب اپنی داڑھی کو کچی گھانی کا تیل لگا رہا تھا۔ صبح جب خیرے نے پڑے میں سرسوں ڈالی تو پہلی چند بوندیں بوتل میں منگل نے لے لی تھیں۔ نصیبوں والے اڈے سے لوٹ کر، سلامتی سے ملنے کے بعد، منگل چموں سے کھیلا بھی، بڑی کی چوٹی بھی کھینچی اور ماں جنداں سے بڑی کے لئے "بابو" دیکھنے کی باتیں بھی کیں اور پورا گھر چہک اٹھا۔

آج رانو اسے اچھی لگ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی شادی کو دو چار سال ہی ہوئے ہیں اور وہ بچے اس کی بڑی سوت کے ہیں یا وہ بڑا بھائی اور چھوٹے بھائی کے قتل ہو جانے پر اس نے اس کی بیوی پہ چادر ڈال لی ہے۔ نہیں نہیں، یہ تو نہیں ہوتا۔ چادر چھوٹا بھائی ہی ڈالتا ہے۔ بڑے بھائی کے لئے تو چھوٹے کی بیوی بہو بیٹی کی طرح ہوتی ہے۔

چونکہ منگل خود، معمول کے خلاف، آج شام کو نہا دھو کر صاف ستھرا ہوا تھا اس لئے رانو اسے غلط سمجھ گئی تھی۔ وہ سمجھی یہ سب میرے لئے ہے۔ آج کا دن میرا تھا، رات بھی میری ہے۔ رانو کو دیکھ کر منگل سمجھا یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ لیکن نہیں آج رانو اپنی ہی آنکھوں، اپنے ہی دل، اپنے ہی گالوں، ہونٹوں، کولھوں، رانوں کا قصور تھی۔ آج صبح جب وہ "نہا کر جوہڑ میں سے نکلی تو سلنے کی لاٹ معلوم ہو رہی تھی۔" پھر اس نے گھر پہنچ کر دن میں کئی بار ابٹنا مل کر جلد کو اتنی نرم اور چکنا بنا لیا تھا کہ اس پر سے نگاہیں اور جذبے پھل پھسل جاتے تھے اور پھر وہیں پڑے مچل مچل جاتے اور اس وقت تک الگ نہ ہوتے جب تک کوئی ان کا ہاتھ پکڑ کر نہ اٹھائے۔ پھر اس نے بندی لگا رکھی تھی۔ کوئی غور سے دیکھتا تو پتہ چلتا آج وہ صرف بندی نہ تھی، وہ صبح کا سورج تھی جو گہرا سرخ ہوتا ہے اور تیز تیز اپنے محور کے گرد گھومتا جاتا ہے۔ پھر ایکا ایکی جیسے کرنوں کے انبار میں ہاتھ ڈال کر کسی نے چھچلا دیا۔ اخروٹ کی چھال کا رنگ ہونٹوں پر چلا آیا اور اب تک کے سوکھے ہوئے چھواروں کی بجائے وہ رس بھریوں کے ڈھیر معلوم ہونے لگے۔ منگل نے ایک بار پھر ذرا غور سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا:

"تو آج باجار گئی تھی؟"

رانو نے ایک اچٹتی ہوئی نظر منگل پہ ڈالی اور پھر اسے اپنی طرف یوں دیکھتے پا کر نگاہیں چرا لیں اور دلہنوں کی سی دھیمی آواز میں بولی: "ہاں" اور پھر کام کاج کے بہانے اپنا آپ ادھر ادھر چھپانے، وقت بتانے لگی۔

رانو کیا چھپا رہی تھی؟ یہ بات نہیں کہ وہ گھر سیانوں کی طرح اپنا سارا کچھ ایک ہی دم نہ دے دینا چاہتی تھی، بلکہ کوئی بات تھی جو اپنے، بندی، اخروٹ کی چھال اور رس بھریوں سے اوپر ہوتی ہے جس کا تعلق عورت کی شکل و صورت سے نہیں ہوتا، نہ اس کی نسائیت اور اس کی انتہا سے، جسے وہ دھیرے دھیرے سامنے لاتی ہے اور جب لاتی ہے تب پتا چلتا ہے، یہ بات تھی! جیسے اشٹم کا چاند اپنا آدھا چھپائے رہتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ، روز بروز، ایک ایک پردے --- دوپٹے، چولی، انگیا سب کو الگ ڈالتا جاتا ہے اور آخر ایک دن، ایک رات، پورنما کے روپ میں آ کر کیسی بے خودی و مجبوری، کیسی ناداری و لاچاری کے ساتھ اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے۔ کیا علم النسا، علم النجوم سے دور کی بات ہے؟ کوئی بھی علم دوسرے علم سے فاصلہ رکھتا ہے؟ جن لوگوں نے برسوں اور عادتاً" آسمانوں پہ جھانکا، ستاروں کو دیکھا ہو، ان کی جھل مل کے ساتھ مرے، مل مل کے ساتھ جئے ہوں، اماوس کے ساتھ مرجھائے، پونم کے ساتھ کھلے ہوں، وہی رجنی کی آنکھوں میں پلکوں کے نیچے، زمینوں سے بڑی، آسمانوں سے بڑی، برق و مقناطیس کی وسعتوں میں جو راس رچائی جاتی ہے، جو بھنگڑے اور جھمر اور لڈی ناچے جاتے ہیں، ان کے راز سمجھتے ہیں ------ وہی اشٹم کے چاند کا بھید بھی جانتے ہیں۔

منگل اکے والا، پھر سلامت میں بے سلامت ہو کر اس گھر کی اشٹم کا بھید کیسے سمجھتا۔ اس نے کبھی آسمانوں پہ جھانکا ہی نہ تھا۔ وہ تو یہ بھی نہ جانتا تھا وہ خود ایک ستارہ ہے۔ سورج، جو کبھی کسی کو اپنی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ جو دیکھتا ہے اندھا ہو جاتا ہے۔ اس کے طلوع و غروب، اس کے توازن و اعتدال شب و روز آپس میں سر ٹکراتے مرجاتے، سلف کا حصہ ہو جاتے ہیں۔ بنات النعش اس کی طرف دیکھتی ہوئی معدوم، چاند بے نور، کاغذی ہو کر گھٹتا گھٹتا گھٹ جاتا ہے اور آ کر عدم کی پہنائیوں میں گم ہو جاتا ہے اور وہ --- سورج بے خبر۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

لیکن آج اس بے خبرے منگل کو رانو کچھ خبریں دینا چاہتی تھی۔ وہ اس گھونگھٹ کو اٹھا دینا چاہتی تھی جو منگل اور اس کے بیچ حائل ہو رہا تھا۔

گھنڈ انھیاں کرے سجاکھیاں نوں
گھنڈ لاہ دے منہ اتوں لاڑیئے نی
وارث شاہ نہ دبے موتیاں نوں
پھل اگ دے وچ نہ ساڑیئے نی

(گھونگھٹ دیکھنے والوں کو اندھا کر دیتا ہے۔ اے دلہن! تو اسے مکھڑے پر سے ہٹا دے۔ وارث شاہ! موتیوں کو دفنا کر نہیں رکھتے' نہ پھولوں کو آگ میں جلاتے ہیں) ——

اور آج رانو نے پردے اور حجاب کو دور کر دینے کی ٹھان رکھی تھی جسے بیچ سے ہٹائے بغیر خدا بھی نہیں ملتا۔

ادھر منگل آج جیسے کوئی رشوت دینا چاہتا تھا۔ اس نے کرتے کی جیب سے رانو کے لئے بالوں کی کچھ سوئیاں نکالیں'. لوٹتے ہوئے جنھیں وہ قصبے سے لے آیا تھا۔ انھیں ہاتھ میں لیتے ہی رانی چونک اٹھی۔ اس کے منہ سے ایک بے خودی کے عالم میں "ہا" نکلی —— عورت میں لذت کی انتہا —— لیکن منگل کہیں دور دیکھ رہا تھا۔ پھر لوٹ کر اس نے پیسے نکالے اور رانو کے ہاتھ میں تھما دیے۔ رانو کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے لیکن اس نے حیران ہو کر پوچھ ہی لیا:

"یہ آٹھ روپے کہاں سے آگئے؟"

"آج پسرور کی سواری لگی تھی۔"

"تو؟"

"تو کیا؟ کھاؤ' خرچو۔" اور پھر پہلی بار' اپنی بیاہتا زندگی میں پہلی بار اس نے معنی خیز نگاہوں سے رانو کے سنگھار کی طرف دیکھا اور بولا "خرچ بھی تو بڑھ گیا ہے!"

اور رانو پہلی بار' اپنی نئی بیاہتا زندگی میں پہلی بار ایک بیوی کی طرح شرمائی اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا ابٹنا' اس کی مہندی' اخروٹ کی چھال اور رس بھریاں ننگی ہو گئی ہیں۔ اس نے سمٹنے کے پردے سے اپنا سب کچھ ایک بار ڈھک لیا۔ وہ منگل کے قریب ہونے میں کتنی دور اور دور ہونے میں کتنی قریب ہو ہو جاتی تھی۔ پھر اس نے بھی سوچا'

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

ابھی نہیں ابھی تو مندر میں گھنٹیاں بھی نہیں بجیں' مسجد میں ملا نے اذان بھی نہیں دی۔

منگل نے کہا: "کھانا نکال دے جھٹ سے۔"

"ابھی نہیں۔"

"کیوں؟ ابھی کیا ہے؟"

رانو کچھ گھبرا سی گئی۔ وہ اس سوال کا جواب نہ دے سکی۔ لیکن منگل نے خود ہی ایک انجانے پن میں اسے اس دبدا سے نکال لیا: "کیا کوئی بہت اچھی چیز پکی ہے؟"

"ہاں" رانو نے کہا اور پھر کھٹے سے اس کے دوپٹے میں کوئی توتا بولنے لگا: "چنے کی دال پکائی ہے۔ ساتھ پودینے کی چٹنی' کراری' مسالوں والی ——"

کتنی بھول ہوئی! منگل کو وہ سب یاد آگیا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے نتھنے پھولنے لگے اور بال جیسے اپنے آپ پگڑی سے باہر آگئے۔ اگر بالوں میں نہیں تو خیالوں میں ضرور اس دن والی من چھٹیاں' آک کی بڈھی مائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ ایک دم خفا ہو کر بولا: "دو جو بھی پکا ہے' نہیں میں جاتا ہوں' ضروری کام ہے۔"

رانو سنبھلتے سنبھلتے پھر گر سی گئی۔ اس نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا' اور ہی پکایا تھا۔ شاید کوئی ایسی ویسی بات نہ بھی ہو۔ اچھا ہی ہے' جب لوٹے گا بچے سو چکے ہوں گے۔ سسر کی کھوں کھوں' کھانسنہ کھانسنہ' ساس کے شروع رات کے خراٹے بند ہو چکے ہوں گے۔ ایسی خاموشی ہوگی کہ سانس بھی روکنے پڑیں گے۔ ایکا ایکی منگل نے کہا:

"میری وہ کرتی کہاں ہے؟"

رانو سمجھ گئی' سنسنا گئی۔

"کہاں جا رہا ہے؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکل آیا "دیکھتے نہیں' بادل گھرے ہیں؟"

"ہوں گے۔" منگل نے کہا "تو کون ہے روکنے والی؟"

رانو بے بضاعت سی ہو کر رہ گئی۔ بولی "نہیں' میں تو کوئی نہیں۔ ایسے ہی پوچھا تھا"۔

اگر رانی اڑ جاتی' جیسے تکوکے کے ساتھ اڑ جاتی تھی اور کہتی: "میں نہ روکوں گی تو اور کون روکے گا؟" تو منگل الف ہو جاتا۔ لیکن وہ اپنی پھٹی ہوئی' میلی' بوسیدہ سی چادر کے رشتے کو سمجھتی تھی۔ منگل رانی کے اس مریل سے جواب سے کچھ ڈھیلا ہو گیا اور بات کو

ختم کرنے کے انداز میں بولا: "جا رہا ہوں رنڈی کے ہاں۔"

یہ فقرہ شوہر عموماً اس وقت کہتے ہیں جب وہ واقعی رنڈی کے ہاں جا رہے ہوں، اور بیویاں سمجھتی ہیں ان کا میاں کسی غلط جگہ پہ نہیں جا رہا ورنہ وہ ایسے نہ کہتا؟ لیکن رانو کو حالات میں ہر لحظہ پیدا ہو جانے والے خطرے نے ایک ایسی سمجھ دی تھی جو اس کی دوسری بہنوں کے حصے میں نہیں آئی تھی۔ ایکا ایکی وہ دیوی سے ایک عام، گوشت پوست کی عورت بن گئی۔ ایک دم چالاک اور عیار، حرافہ۔ کیا کرتی؟ وہ مجبور تھی اور بے بس۔ آدمی پل پل حالات اور واقعات سے اثر پذیر ہوتا ہے، ان کے ساتھ بدلتا ہے، ورنہ پرماتما نے اسے اتنا بڑا نسوں کا جال نہ دیا ہوتا۔

کرتی کے مطالبے نے رانو کے شک کو یقین میں بدل دیا۔ وہ تن کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے بھی نتھنے پھولنے لگے جو منگل کو رانی کے ڈوپٹے میں دکھائی نہ دیئے۔ ایک بیوی مقابلے کے لئے، اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے، ایک بیسوا کی سطح پر اتر آئی تھی۔ اپنی نگاہوں کے افق پہ اسے سلامتی کا بدن لہراتا ہوا نظر آیا، جس کے بدن کے کسے کسائے اور متناسب اعضا میں متقابل کے لئے قدرتی جگہیں بنی تھیں، جس کے جسم کی تازگی اور شادابی کو ابٹنے اور بندی اور اخروٹ کی چھال کی ضرورت نہ تھی، جو سب چیزیں منگل سے استمول، پتھر آدمی کے لئے بے کار تھیں۔ جو خود چٹان تھا، چٹانوں سے بھڑنا چاہتا تھا، خود لوہا تھا، لوہے سے ٹکرانا چاہتا تھا، اور رانو جانتی تھی اور اس کے لئے تیار تھی۔ اس نے ایک آڑی نظر سے ٹرنک کی طرف اشارہ کیا اور بولی:

"وہاں پڑی ہے تیری، کرتی۔"

جب ہی باہر سے ودیا کی آواز آئی: "رانو!"

رانو ایک دم باہر لپکی اور اس سے پہلے کہ ودیا کچھ کہتی، رانو نے اسے باہر دھکیلتے ہوئے کہا: "چلی جا ودو! اس وقت چلی جا۔"

ودیا نے بے کار سی ضد کرتے ہوئے کہا: "کیوں نی؟"

رانو ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی: "پرماتما کے لئے، بڑے بھوتوں کے لئے۔"

اور ودیا حیرانی سے پیچھے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

رانو اندر آئی تو منگل ٹرنک کھول چکا تھا۔ اس نے کچھ کپڑے ادھر ادھر بکھیر رکھے

تھے۔ اس کے ہاتھ میں مٹھے مالٹے کی بوتل تھی اور آنکھوں میں چمک۔

"یہ کہاں سے آئی؟" اس نے رانو سے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ" منگل نے بوتل کو ہوا میں اٹھاتے ہوئے کہا "مٹھے مالٹے کی بوتل!"

رانو نے کچھ لرزتے، کچھ باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "مجھے کیا معلوم؟" اور اسے بہت کچھ اپنا آپ چھپانے کی ضرورت بھی نہ پڑی۔ ڈبو رونے لگا تھا۔ رانو نے آدھی اندر آدھی باہر جا کر بانسہ الارنی شروع کر دی تھی: "ہات، ہات موئے! یہاں کیا دھرا ہے تیرے رونے کو؟ رو ان کے ہاں جا کر جن کے ہاں ترکاری ملتی ہے، گوس ملتا ہے۔" اور پھر مڑکر بولی: "تیرا بھائی پیا کرتا تھا نا۔"

"ہاں مگر" منگل نے حیرانی سے کہا "اتنے برسوں سے؟"

"پڑی رہی ہو گی، میں نے تو جب سے اس ٹرنک کو ہاتھ نہیں لگایا۔"

منگل بوتل گھما گھما کر دیکھ رہا تھا جیسے یقین نہ آرہا ہو، بالکل وہی شراب تیزاب جس کی اس شام اسے طلب تھی۔ جس سے اس نے چاہا تھا کہ اس کی ہمت بڑھے، چیتے کی سی لپک آجائے، دس گھوڑوں کی سی طاقت۔ اسے بھی اپنے ذہنی افق پر ایک تر و تازہ، تندرست و توانا لڑکی دکھائی دی۔ اس نے تھوڑا اندر باہر ہو کر اوپر، آسمان کی طرف دیکھا جہاں اب بادل گھر آئے تھے اور چاند کو اپنے لحاف و توشک میں چھپا لیا تھا۔

ضرور کہیں گری پڑی ہو گی، بخارات اٹھے ہوں گے جو اس مہینے، بھادوں کے آخر میں، کوٹلے کے اوپر چھائے گئے۔ شاید کہیں رات اور دن برابر ہونے والے تھے۔ بادلوں کے بیچ میں سے اپنا گریبان پھاڑ کر دیکھتے ہوئے ستاروں سے اس بات کی تسلی کر کے کہ ابھی پہلا ہی پہر شروع ہے، منگل لوٹ آیا۔ لیکن لوٹنے کے بعد وہ پہلا سا منگل نہ رہا تھا۔ ایک عجیب قسم کی کرختگی اس کی نگاہوں میں چلی آئی تھی۔

"میں کبھی کبھی وہاں نصیبوں والے اڈے پر لگا لیتا ہوں۔" وہ انگوٹھا اور مٹھی منہ کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔

"میں جانتی ہوں۔" رانو نے کہا۔

رانو نے پروا نہ کی، نہ کسی استعجاب کا مظاہرہ۔ پھر اس نے بوتل کی طرف دیکھا۔ حرص و

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

آرزو نے بہت کچھ اسے دیکھنے نہ دیا۔ مثلاً رانو کی آنکھوں میں اڈ آنے والا سیل ' ساتھ ہی اس کا تیز ہوتا ہوا تنفس۔

"تیرے سامنے تو نہ پیوں گا" وہ اپنی ہی رٹ لگاتے ہوئے بولا۔

رانو چوکنی ہو گئی: "کیوں؟"

"تو برا مانتی ہے نا؟"

رانو کہے جا رہی تھی "نہیں' میں کیوں برا مانوں گی؟ میرا حق ہی کیا ہے؟" لیکن اندر سے کسی آواز نے اسے روک دیا۔ اس کی نگاہیں پھر ایک حرافہ کی نگاہیں ہو گئیں اور وہ بولی "ہاں' تو جانتا ہی ہے' مجھے زہر لگتی ہے۔"

پھر جیسا کہ رانو کا اندازہ تھا' جیسا کہ وہ منگل کو جانتی تھی' جیسا کہ وہ چاہتی تھی' منگل ایک دم بھنا اٹھا۔ ایک دم بوتل کے گلے میں مٹھی گھماتے ہوئے اس نے کاک کو ڈھیلا کر دیا۔ پہلے چوروں اور پھر ڈاکوؤں کے انداز میں بولا: "یہی ہے نا تم عورتوں کی بات۔ کھانے پینے سے بھی روکتی ہو اپنے مردوں کو۔" اور وہ جھینپ گیا۔

رانو خوش ہوئی' زبانی ہی سہی: مگر "عورت" اور "مرد" کا رشتہ تو قائم ہوا۔ اوپر سے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے بولی: "خبردار میں نہ پینے دوں گی۔"

بالکل جیسا کہ رانو نے سوچا تھا' منگل نے کاک نکال کر باہر پھینک دیا۔ بو سی نکلی اور سارے کمرے میں پھیل گئی۔ رانو نے ایک ہاتھ سے دوپٹہ ناک کے سامنے کر لیا اور دوسرا ہاتھ منگل کے ہاتھ اور بوتل کے منہ پر رکھ دیا۔ منگل نے رانو کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا: "میں پیوں گا' ضرور پیوں گا۔"

"تو نے اپنے بھائی کو ہٹایا تھا' بوتل توڑی تھی' مجھے چھڑایا تھا۔"

"وہ' وہ تو تجھ پر ترس کھایا تھا۔"

پھر' جیسا کہ رانو نے سوچا تھا' منگل نے اس کے ہاتھ جھٹکنے شروع کر دیے۔ بیچ میں بڑی آئی' اور دونوں کو ایک دوسرے کے اتنا قریب پا کر ٹھٹک گئی۔ جب ہی باہر سے بادل کی گرج سنائی دی۔ "جا تو" رانو اسے دیکھ کر بولی "کھانا کھلا دے' سلا دے سب کو اندر' پانی پڑنے والا ہے۔" بڑی نے باہر جاتے ہی اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ آج وہ صبح ہی سے ماں کے تیور دیکھ رہی تھی اور کچھ کچھ سمجھ بھی رہی تھی۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

رانو پھر بوتل پر جھپٹنے لگی اور منگل اسے دھکیلنے لگا۔ اس کے سخت اور کھردرے ہاتھ' رانو کے بدن کے ہر حصے کو لگ رہے تھے۔ بیچ میں اس نے کچھ رکھ رکھاؤ کیا بھی' لیکن چادر کا بیچ نامہ تھا جو رانو کا بدن توڑ رہا تھا' مروڑ رہا تھا۔ وہ بار بار ایک دم بوتل سے منہ لگا کر پیتے ہوئے' ہانپتے ہانپتے کہہ رہا تھا: "میں اپنے بھائی کی طرح نامرد نہیں جو ایک عورت کے سامنے ہتھیار ڈال دے گا۔"

منگل نے اس چھینا جھپٹی میں ایک تہائی بوتل خالی کر دی۔ رانی کچھ اور لپکی۔ منگل نے اب کے اسے نیچے فرش پر گرا دیا اور پھر جوش کے عالم میں اسے زدوکوب کرنے لگا' بالکل ایسے ہی جیسے رانو نے سوچا تھا۔ وہ اوپر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی اور منگل اسے نیچے دبانے لگا۔ بیچ میں ایک ہاتھ سے بوتل اٹھا کر وہ پھر پی گیا۔ ہولے ہولے اس کا چہرہ لال ہونے لگا۔ خون کانوں اور سر کی طرف آنے لگا۔ رانو کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔ اس کے اعضا میں ایک ایسی تڑپ پیدا ہو گئی جسے زیر کرنا مشکل ہو گیا' ناممکن۔ اب کے جو رانی اٹھی تو منگل نے اسے دیوار کے ساتھ دے مارا۔

خون کا ایک فوارہ رانو کے سر سے چھوٹا اور اس کی ٹانگیں اسے سنبھالنے کے قابل نہ رہیں۔ وہ زمین پر پڑی تھی' آنکھیں بند اور منہ کھلا ہوا۔ رانو کی خاموش بغاوت کے باوجود آواز اندر جنداں تک پہنچ گئی اور وہ بولی:

"کیا ہے بہو؟"

ایک عجیب قسم کی لذت سے بے ہوش ہوتے ہوئے رانو نے جواب دیا: "کچھ نہیں تائی' بلی ہے!" اور پھر اس پر ایک غنودگی سی چھانے لگی۔ بدن کے اعضا ڈھیلے پڑ گئے۔ جہاں ہاتھ پڑا تھا ہاتھ' ٹانگ پڑی تھی ٹانگ اور جہاں کپڑا پڑا تھا کپڑا۔ نیچے شراب گر رہی تھی یا پانی۔ رانو کی شلوار تربتر ہو رہی تھی۔ اب تک جو کچھ ہوا اس سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا دونوں میں سے کس نے پی ہے' نشہ کسے آیا ہے کس کا اترا ہے؟

منگل رانو کے پاس حیران کھڑا تھا۔ عجیب عورت ہے! اتنی مار پڑی' اس پر بھی کہہ دیا "بلی ہے!" وہ شرمسار تھا اور شکر گزار بھی۔

پگڑی پھاڑ کر اس نے رانو کے زخم پونچھنے شروع کر دیئے اور پھر کپڑے کو مٹھی میں رکھ کر اس پر سانس کی دھونکنی چلانے لگا۔ رانو کے بدن پہ جہاں جہاں سوجن تھی' لگانے

لگا' ویسے ہی جیسے اس رات رانی نے کیا تھا۔ رانی کو آرام آرہا تھا' ع آرہا تھا اور منگل کو رونا' اور اس رونے میں کفارے کی تسکین۔ روتے روتے اس نے رانی کے پاؤں پکڑ لئے۔ اب وہ اسے اوپر کھینچ رہی تھی' اس کا بدن سہلا رہی تھی' جیسے مار اسے نہیں' منگل کو پڑی ہے۔

"معاف کر دے' مجھے معاف کر دے۔" منگل رٹ لگائے جا رہا تھا۔

"وعدہ کر' پھر نہ پئے گا۔" رانو نے اس کے ساتھ لگتے ہوئے کہا اور پھر ایک دم کسی خطرے سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے' پیش قدمی کرتے ہوئے بولی: "وعدہ کرے گا تو میں آج تجھے اپنے ہاتھ سے پلاؤں گی۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔" منگل نے کہا اور پھر سوچنے لگا' اس نے کس بات کا وعدہ کیا ہے؟ رانو آہستہ سے اٹھی اور باہر چلی گئی۔ منگل بیٹھا برتنوں پر بارش کی جلترنگ سن رہا تھا۔ بڑی نے سب کو کھلا پلا دیا تھا اور کہیں دور' اندر سلا دیا تھا جیسے ہمیشہ کے لئے' جیسے انسان اور قدرت کے درمیان اس عظیم سازش میں وہ بھی شریک ہو گئی تھی۔ رانو نے تنور کو برسات سے بچانے کے لئے اس پر ایک بڑا سا دابڑا رکھ دیا اور پھر کھانا لے کر اندر چل دی۔

رانو لوٹی۔ تھالی میں ایک طرف روٹی پڑی تھی اور دوسری طرف کچھ پیاز اور چانپیں! منگل نے حیران ہو کر چانپوں کی طرف دیکھا اور پھر رانی کی طرف اور اس کے منہ میں پانی آنے لگا۔ رکھنو نے گلاس میں ایک دم بہت سی شراب انڈیل دی اور منگل کے ہاتھوں میں تھما دی۔ منگل کو جیسے یقین نہ آرہا تھا۔ کھانے سے نظریں ہٹا کر اس نے رانی کی طرف دیکھا جس کی نگاہیں پیالے بنی ہوئی تھیں۔ پھر وہ انکار نہ کر سکا۔ گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا:

"آج کے بعد پیوں تو سمجھو گائے کھاؤں۔"

اس نے گلاس منہ کی طرف اٹھایا تو رانو نے روک دیا:

"ٹھہرو" جیسے اسے کوئی بات یاد آگئی --- وہ باہر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹی تو ہاتھ میں ایک ٹوٹی ہوئی چینی کی رکابی تھی اور اس میں دل کی شکل کا ایک ٹماٹر' جو آٹھ حصوں میں کٹا پڑا تھا۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

منگل پینے اور کھانے لگا۔ رانو رو رہی تھی۔ ایسا مزہ منگل کو نصیبوں والے اڈے پہ کہاں آیا تھا؟ روتے کانپتے ہوئے رانو نے اور انڈیلی' اور' اور ——— اور شراب رانی کو چڑھ گئی' رانی کو! چھپنے کے بجائے وہ کھلنے لگی۔ پہلے جالی کا دوپٹہ جیسے اتفاق سے گر گیا' پھر کرتے کے تکمے کھل گئے۔ : ب ہی مندر کے گھنٹے سنائی دیئے' پھر مسجد سے اذان۔

"ہات!" منگل نے گھنٹے اور اذان سنتے ہوئے کہا۔

"ہات کیا؟" رانو پوچھنے لگی۔

"یہ" منگل نے اپنا غیر یقین ہاتھ جہلم ارین کے گھر کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا: "یہ ملا اور پنڈت۔"

اور اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ دروازے تک گیا بھی لیکن باہر گھپ اندھیرا دیکھ کر لڑکھڑاتا ہوا اپنی جگہ پہ آرہا۔ پھر ایکا ایکی اپنی آنکھوں پر پورا زور ڈالتے ہوئے وہ سامنے دیکھنے لگا۔ رانی کھڑی تھی۔ پونم کا چاند! جو بے صبر ہو کر آدھے سے پورا ہو گیا تھا' اور بادلوں کے لحاف و توشک کو چیرتے پھاڑتے ہوئے' نیچے زمین پر اتر آیا تھا۔

منگل اٹھ کھڑا ہوا اور سانس روک کر دیکھنے لگا۔ بہ مشکل تمام بولا: "تم ——— تم نے کپڑے کیوں پہنے ہیں؟"

رانو نے اپنا پھٹا پرانا جالی کا دوپٹہ اٹھایا اور اسے اپنے اور منگل کے بیچ تانتے ہوئے بولی: "لو' اتار دیئے۔" اور دوپٹے کو دو اٹھے ہوئے ہاتھوں میں تھامے' رانو پہلو کی طرف مڑی۔ عورت کا حسن ثلاثہ منگل کے سامنے تھا جس سے گیہوں کی روٹی کھانے والا کوئی بھی مرد انکار نہیں کر سکا' اور بیچ میں لطیف سا پردہ۔ پھر' اس حسن پر ایک انگڑائی ٹوٹی۔ سال کے باون ہفتے' ہفتے کے سات دن' دن کے آٹھ پہروں' گھنٹوں اور پلوں میں ایک ایسا لمحہ ضرور آتا ہے جب چاند لپک کر سورج کو سر سے پاؤں تک گہنا دیتا ہے۔

منگل کے چہرے پر سرخیاں اور سیاہیاں دوڑ گئیں۔ آنکھیں بند ہو گئیں اور جسم کے مسام اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں چل دیئے۔ کبھی بارش کے ڈر سے چھپتے' کبھی اس کے لئے باہر آتے۔ ساون اور بھادوں میں تو بارش ہمیشہ ہوتی ہے۔ جہاں تہاں بھی ہوتی ہے لیکن بڑوں کا کہنا ہے کہ جب بھادوں اور اسوج کے بیچ دن اور رات ملتے ہیں' برابر ہوتے ہیں تو دیوی کے کوٹلے پر ضرور چھینٹے پڑتے ہیں' بے شمار پڑتے ہیں۔ منگل نے ایک اندھے کی

طرح لپک کر' اندازے ہی سے رانو کو کلاوے میں لے لیا۔ پھر ایک ہی لمحے میں وہ جسم کے تپتے ہوئے زعفران زاروں پہ تھے۔ اس سے پہلے کہ ان کے سانس تیز ہوتے ہوئے وہاں پہنچ جاتے جہاں سے وہ پھر لوٹ کر نہیں آتے' منگل رانو سے کہہ رہا تھا: "آج تم ــــــ کتنی کھوب شورت لگ رہی ہو بھابی!"

۹

گھر کے دروازے میں کھڑی' آسمان سے مسلسل بارش پڑتے دیکھ کر سلامتی جھلا رہی تھی' اپنے آنگوں پہ ہلکے ہلکے تھپیڑے لگا رہی تھی۔ پھر وہی ہاتھ اس نے کولہوں سے نیچے تھپکنے شروع کر دیے اور سی سی کرنے لگی' جیسے غلطی سے اس نے ایک ساتھ بہت سی مرچیں کھا لی ہوں۔ گھنٹے اور اذان کی آخری گونج اس کے کانوں سے معدوم ہو رہی تھی اور وہ ملاؤں اور پنڈتوں کو کوسنے دے رہی تھی جنھوں نے انسانی جسم بنایا تو نہ تھا' البتہ اس سے انکار' اسے گالی دینے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

رات کے دوسرے پہر کا آخر تھا اور بارش تھی کہ ہٹ ہٹ کے پڑ رہی تھی۔ مدرسے کے برآمدے میں' اکیلے کے برابر کھڑے مراد نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بکواس ہے یار یہ عورت بھی۔"

تلیفے نے اتفاق کیا اور اللہ داد اور حکومت نے بھی۔ اور پھر سب اپنے اپنے لٹھ اور ٹوکے اور چھویاں اور گنڈاسے لے کر' بارش میں بدن کی چربی تک بھیگتے ہوئے اپنے اپنے گھر کی طرف یہ کہتے ہوئے چل دیے: "بچ گیا سکھرا۔"

مراد کو نامراد لوٹتے دیکھ کر دور' اندر' چارپائی پہ پڑی ہوئی سلامتی نے ہاتھ مار کر دیئے کو بجھا دیا۔ پھر اپنے بدن پہ اس دن کی آخری انگڑائی توڑی اور بولی:

"شکر ہے اللہ!"

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

۱۰

آج سورج نے چھدرے چھدرے بادلوں کے پیچھے اپنا منہ چھپا رکھا تھا۔ آج آسمان کے کوٹلے پر کوئی نادار اپنی محنت سے شرمسار روتا' کڑھتا ہوا اپنی پھٹی پرانی چادر اوڑھ کے سو گیا تھا۔

ہوائیں چلنے لگی تھیں جن کے دوش پہ لہراتے ہوئے کہیں لوب نار' کوک نار اور پامیر اور سلیمان کی طرف سے چھوٹے چھوٹے سفید پرندے آنے شروع ہوئے۔ معلوم ہوتا تھا دور' ہزاروں فرسنگ دور' کہیں کھیلنے والے بچوں نے کاغذ کی کشتیاں' وقت کے دھارے پہ چھوڑ دی ہیں یا ویشنو دیوی چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں وہ سب نذرانے لوٹا رہی ہے جو صدیوں میں' جاتریوں نے ڈھولکیاں اور چھینے بجا بجا کر' امبا دیوی کی استتی گا گا کر اس کی خدمت میں پیش کئے تھے۔

شب و روز بے اعتدال ہو رہے تھے۔ راتیں دن پہ بھاری ہونے لگیں۔ شکست خوردہ سورج شب کے سامنے شرمایا اور بادل کے پردے سے منہ نکال کر اپنی زمین کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرانے لگا۔ بس' اس کے مسکرانے کی دیر تھی کہ تیتر کے پروں پہ رنگ بکھر گیا۔ وراج و سار کی چال میں نئے انداز چلے آئے اور نیم کی نازک سی ڈالی پہ جھولتی' وزن درست کرتی ہوئی جھانپل کے گلے میں سے ایک مترنم اور مہیب بے اختیاری پھوٹ نکلی۔ سورج نے نہ صرف جامن اور بکائن اور لنڈے پیپل کے پتوں سے صلح کی بلکہ ببول اور کنوار گندل کے بدن پہ اگے ہوئے کانٹوں کو بھی اپنا کہا اور زمین کے آنسو چوم چوم لئے۔

کسانوں نے کہیں آنسوؤں کے بیچ زمین کو زیرِ لب دبی دبی ہنسی ہنستے دیکھ لیا اور وارفتہ ہو کر اپنے اپنے ہل نکال لئے اور اس مست الست کاشت کو خریف کا نام دیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے تک شہتوت کی کچی کنواری ڈالیاں توڑ لائے اور ان کی کمانیں بنا' ان پہ چلے چڑھا' ادھر ادھر بے ربط سے تیر پھینکنے لگے۔ مسجد میں ملاؤں نے اور مندر میں پنڈتوں نے تمناؤں کی شومیدھ کے گھوڑے چھوڑ دیے اور پوری کائنات ایک مسلسل نہ ختم ہونے والی جندہ بازی میں لگ گئی۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

منگل نے اپنا ساز نکالا اور اس پر کلغی سجائی۔ رانی نے تنور پر سے واہڑا اٹھایا اور اس کے کچھ گیلے ہونے کی وجہ سے اس میں ڈھیر سی چیلیاں اور من چھٹی ڈال دی۔ رات کی آمدنی سے ایک روپیہ نکال کر بڑی کو دیا تاکہ جاٹوں کے ہاں جا کر خالص گھی تلوا کر لے آئے۔ مدرسے میں بڑے بچوں کے شش ماہی امتحان ہو رہے تھے اس لئے چھوٹا چھوں جہلم ارین کے ہاں مولیاں اور آلو لینے کے لئے پہنچا تو سلامتی سر کے گرد جالی کا دوپٹہ باندھے بیٹھی تھی اور کنپٹیوں پہ آٹے کی چڑیاں لگائے۔

چھوں کو مولیاں اور آلو خریدتے دیکھ کر سلامتی بول اٹھی: "کیا بات ہے بھیا؟ آج تمہارے آلو اور مولی کی روٹیاں پک رہی ہیں؟"

"روٹیاں نہیں' پراٹھے۔" چھوں نے اتراتے ہوئے کہا: "ماں نے تنور تپایا ہے نا۔"

"ہائے ہائے وے" جہلم کہنے لگی "تیری ماں نے تنور تپایا ہے؟"

"ہاں!" چھوں نے زور سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں پراٹھے لگوانے ہوں تو آجاؤ یا سلامتی کو بھیج دو۔"

پھر وہ سبزی لے کر چلا گیا اور پیچھے جہلم' عنایتی اور عائشہ ہنستی رہیں۔ سلامتی طبیعت کے خراب ہونے کی وجہ سے جلی بھنی سنتی رہی۔

پکتے ہوئے پراٹھوں میں سے خوشبو اٹھ رہی تھی اور اندر بیٹھے ہوئے حضور سنگھ اور جنداں للچا رہی تھی۔ حضور سنگھ سے نہ رہا گیا: "ذرا نرم لگانا بیٹی!" اس نے کہا "میرے دانت کام نہیں کرتے۔" اور جنداں بھی نہ رہ سکی۔ بولی: "دیکھ تو' ہر وقت کھانے کی پڑی رہتی ہے۔"

رانو نے گھی میں بسے پراٹھے' نئے صاف ستھرے جھاڑن میں باندھ کر منگل کی طرف بڑھا دیے۔ منگل نے مخمور سی نگاہوں کے ساتھ رانو کی طرف دیکھا اور پھر اس کے کیچڑ سے پٹے آنگن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا:

"بہت صفائی کرنی پڑے گی؟"

رانو نے دیکھتے ہوئے کہا: "ہاں!" اور پھر ایک مجوب سی نگاہ منگل پر ڈالتے ہوئے بولی: "ہم عورتیں اور بنی کس لئے ہیں؟"

منگل نصیبوں والے اڈے کے لئے نکلنے ہی والا تھا کہ رانو کو کوئی بات یاد آگئی اور وہ

فوراً" بول اٹھی: "ٹھمو!"

منگل وہیں رک گیا۔ کچھ دیر میں رانی دوڑی ہوئی اس کے پاس آئی اور بولی: "مجھے دو شلواروں کا کپڑا لا دو' تیوحار آرہے ہیں۔"

منگل نے ابھی جواب بھی نہ دیا تھا کہ رانو اپنے بدن پہ' سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئی کہنے لگی: سب کے پاس یہ ہے' میرے پاس ہی نہیں" اور پھر اوپر دیکھتے ہوئے وہ صرف مسکرائی نہیں' کھل کھل کر کے ہنس اٹھی۔

منگل نے تھوڑا سا سرہلاتے ہوئے کہا: "اچھا دیکھو!"

"دیکھو دیکھو کچھ نہیں۔" رانو نے بے جھجک کہہ دیا۔

"میں کیا سب کے سامنے بنا شلوار کے پھروں گی" اور پھر بولی:

"میرا تو کچھ نہیں جاتا۔"

منگل نے ایک دم اپنا سرہلایا جیسے اپنے حق کو کسی دوسرے سے خبط نہ کرنا چاہتا ہو۔

رانو پھر کہنے لگی:

"چنوں کو اس کے گھر والے نے صوف کا سوٹ سلوا دیا ہے۔ کیسا اچھا لگتا ہے اس کے گورے گورے پنڈے پر کالا کالا نرم نرم صوف۔"

منگل سوچنے لگا۔

رانو نے اور آگے ہو کر منگل کے ادب کرتے کا دامن تھام لیا اور بولی: "تم آج پھر پسرور نہیں تو گوجرانوالے' نہیں سیالکوٹ' سمبڑیال کی سواریاں ڈھونڈھ لینا۔ بچے بھی قیمیں مانگتے ہیں۔"

منگل جیسے ایک دم فرمائشوں کے شیریں و ترش انبار کے نیچے دب گیا۔ ساز میں سے کلغی نیچے گر گئی جسے اٹھاتے' پھر سے ساز میں ٹکاتے ہوئے اس نے Dانی کی طرف دیکھا جو ابھی تک اس کا کرتا تھامے ہوئے تھی' جیسے منگل اس کا چور تھا' جیسے رانو کا کوئی قرض تھا جسے منگل کو چکانا تھا۔

"اچھا بابا اچھا۔" منگل نے اپنا کرتا چھڑایا اور چل دیا۔ رانی السائی سی کھڑی' چوکھٹ میں جڑی' ہمیشہ کی طرح اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کا مرد' تکمیل اور تعمیل کی ایک رات اور آدھے ہی دن نے جس کی عمر میں دنوں' مہینوں اور برسوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ پھر رانی

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

اسے دیکھ کر ایکا ایکی ٹھٹک گئی۔ تلوکا! نہیں منگل ـــــ منگل! لیکن یہ وہ منگل تو نہ تھا جسے ایک دن رانو نے دیکھا تھا' جس دن چنوں نے اس پہ چادر ڈالنے کی بات کی تھی اور ایک البیلے پن میں وارث گاتے ہوئے جسے گلی کے نکڑ نے لپک لیا تھا۔ آج وہ چپ تھا اور اس کے چوڑے چکلے کاندھے محبت کے بوجھ سے دب گئے تھے' جس کے کارن وہ آپ ہی اپنا بڑا بھائی معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ جارہا تھا اور گلی کے نکڑ جیسے پرے ہو گئے تھے۔ گاؤں سے باہر کے کالے کوس ایک دوسرے میں الجھ گئے تھے۔ الجھتے سلجھتے راستے کہیں بھی جاتے تھے' لیکن ایک بات طے تھی کہ ان پہ اڑتی ہوئی دھول اور گرد' کیچڑ اور غلاظت میں ہر منگل کا خون اور پسینہ رچا ہوا تھا۔ پھر راستوں کے اس گورکھ دھندے میں ایک راستہ ضرور ایسا تھا جو ہر جانور' ہر انسان کو سرشام "گھر" لے آتا تھا۔

اپنی نگاہوں کے دھندلکے میں منگل کے حل ہوتے ہی رانی اندر لوٹ گئی۔ آج اس کے پاؤں یقین سے زمین پہ پڑ رہے تھے۔ آج ہر چیز کتنی آسان' کتنی سبک ہو گئی تھی جس کے مقابلے پہ اپنے کیچڑ سے پٹے آنگن کو صاف اور ستھرا اور پھر سے مہمان نواز بنانا کوئی محنت کی بات ہی نہ تھی۔

11

کسی کو اندازہ نہ تھا اب کے کوٹلے پہ اتنا جاتری پڑے گا۔ کسی کو گمان بھی نہ تھا اب کے سامنے پہاڑوں پہ وقت سے پہلے برف پڑ جائے گی اور امبا دیوی سب بھگتوں کو کوٹلے کی طرف بھیج دے گی۔ اور پسرور، گوجرانوالہ، ممبڑیال، سیالکوٹ، ستراہ اور ستوکی سے سواریاں آئیں گی، لاریوں اور بسوں پر، تانگوں اور اکوں پر، بیل گاڑیوں اور چھتناریوں پر۔

کسی کو معلوم نہ تھا کوٹلہ گاؤں کے لوگوں کے گھر دولت سے بھر جائیں گے اور ان پر ہن برسنے لگے گا۔ دیوانے شاہ کا سودا بک جائے گا اور جاٹ کا گھی، خیرے کا تیل اور جہلم کی سبزی۔ کبوتر مندر کے کلس سے گاؤں کی گلیوں میں اتر آئیں گے اور دانہ کھائیں گے اور ان بھکھیار کی گھوں گھوں چوبیس گھنٹے چلنے والی آٹے کی مشین کی کوکو میں گم ہو جائے گی۔ اور برات گھر، دھرم شالہ اور ذیلداروں کی حویلی میں تل رکھنے کی جگہ نہ ہو گی، اور لوگ دس دس، بیس بیس روپے ایک ایک کوٹھڑی کے دیں گے۔ سنار کی بالیاں، ٹھٹھیار کی تھالیاں، چراغ کے چوزے، کمہار کے کوزے، سب بک جائیں گے اور بڑ پہ پتہ رہے گا نہ محراب پر شہد کا چھتہ۔ اور ابھی لوگ آرہے تھے، ناچتے اور گاتے، دف کوٹتے، نفیری بجاتے: "بچانا ہے تو بچالو امبا جی! پاپیوں کے بچانے کی یہی بیلا ہے۔"

کون نہ جانتا تھا سال کے اس حصے میں کوٹلے کی عورتیں کیوں اوپر سے سو کھشم اور نیچے سے استھول ہو جاتی ہیں؟ کوئی کہتا اس کی وجہ پچھلی گرمی ہے، کوئی آنے والی سردی، اور پھر وہ ہنسنے لگتے۔ گاؤں کی کج کامنیاں ہاتھوں میں تھالی، تھالی میں صد برگ، صد برگ میں سیندور لئے مندر کی طرف چل نکلتیں اور اپنی ہی چال میں مست کہیں ایک کولھے پر تھم جاتیں تو گیان چند اور کیسر سنگھ، رلدو اور دیوانے کی نبضیں چھوٹ جاتیں۔ ان کے جاتے ہی وہ ہوش میں آجاتے اور یک زبان ہو کر چلا اٹھتے: "ہوئے ہوئے!"

آج ہی بڑی پرکیا کا دن تھا۔ حضور سنگھ اور جنداں تک باہر گئے تھے، لیکن رانو گھر ہی میں بیٹھی تھی۔ اس کے کارن بڑی بھی نہ گئی تھی۔ جوان جہان لڑکی اور اس پہ پرکیا کے لئے آئے ہوئے ہزاروں البیلے۔ اس کی ایک انگلی بھی کسی کے حصے میں نہ آئی۔ سل پہ پر کوئی لال

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

لال چیز پیس کر رانو اسے انگلی سے سمیٹتی ہوئی ایک کٹوری میں رکھ رہی تھی۔ کھلے ہوئے بیسن میں ہری مرچ کی دم نظر آتی تھی اور آلوؤں کے تلے اور چولھے پہ کڑاہی چڑھی تھی جس میں سرسوں کا تیل ابل رہا تھا۔

جب ہی چنوں کالے صوف کا سوٹ پہنے، گلے میں گلابی دوپٹہ اڑاتی ہوئی اندر آئی۔ کالی قمیص میں سے اس کا گورا گورا سینہ، محبت اور کینہ لئے زندگی کا سیاہ و سفید سمجھا رہا تھا۔ رانو کو چوکے اور صحن میں یوں سمم گڑی دیکھ کر چنوں بولی:

ہائے ہائے نہ خصم کھانئے، آج کے دن تو گھر مری ہے؟"

رانی نے یونہی سا سر ہلا دیا۔

چنوں اور پاس آتے ہوئے بولی: "باہر سب بھڑیں (چڑالیں) کھڑی تیری جان کو رو رہی ہیں اور تو یہاں کیا کر رہی ہے؟"

اور چنوں کی نظر رانو کے گلبرے کی شلوار پر جا پڑی۔

"یہ بات!" چنوں نے اسے چھوتے، سر ہلاتے ہوئے کہا۔ رانو نے چنوں سے جان چھڑانے کے لئے کڑاہی میں پونی ڈال دی۔ ہاتھ اوپر اٹھے تو چنوں کو رانو کے کرتے کے اندر کچھ اور ہی گول سڈول، کچھ مخروطی سا نظر آیا۔ اس نے بڑھ کر اوپر ہی سے کرتے میں ہاتھ ڈال دیا اور پھر فوراً ہی باہر نکال کر جھٹکنے لگی۔ "ہائے میں مر گئی! مالم ہوتا ہے منگل تیرے ساتھ سیدھا ہو گیا!"

رانو کچھ نہ بولی۔ دوسرے ہاتھ سے سل پہ پسی ہوئی لال ہری چیز کے چٹکارے لینے لگی۔

"یہ کیا؟" چنوں نے پوچھا۔

اور پھر اس نے غور سے دیکھا۔ کھٹ مٹھی چٹنی تھی۔ چنوں کی آنکھیں چوڑی ہو گئیں۔ ایک انگلی سے اس نے بھی چٹنی کو منہ میں ڈال لیا اور سی سی کرتی، آگے بڑھتی رانو کو شانوں سے جھنجھوڑتی ہوئی بولی: "ہائے ہائے نی رنڈیے؟"

رانو، "اونہوں، آنہاں" کرتی ہوئی پیچھا چھڑانے ل

"سچ بتا" چنوں بولی "نہیں تو میرا مری کا منہ دیکھے، بتا تجھے میری سوگند۔"

رانو نے کچھ گھور گھار کے بڑی کی طرف اشارہ کیا جو کہ نشانی تھی چنوں کے کان کے پاس منہ کرتے ہوئی بولی:

"ہا ہو!"

چنوں ایک دم تھرک اٹھی۔ ایک ہاتھ کولھے پر' دو سر پر رکھے وہ اپنے محور کے گرد گھوم گئی اور پھر ایکا ایکی باہر کی طرف لپکی ـــــ چلاتی' پکارتی ہوئی: "نی سروپو! نی جاچی پورو! ودیو نی' اٹسے' کہاں گئیں ساری کی ساری؟"

جتنی تیزی سے چنوں باہر نکلی اتنی ہی تیزی سے منگل اندر آیا۔ دروازے میں دونوں کی ٹکر ہو گئی۔ چنوں دیوار کے ساتھ جا ٹکرائی۔ منگل کی پگڑی پرے جا گری اور جوڑا کھل گیا۔ اسے یوں دیکھ کر چنوں کچھ ہنستے' کچھ خفا ہوتے ہوئے بولی:

"اندھا! دکھائی نہیں دیتا۔ پورا کوٹھا ہی دھرت راشٹوں کا ہے۔"

"پر چنوں!" منگل نے پگڑی اٹھا کر بات شروع ہی کی تھی کہ چنوں بھاگ گئی۔ منگل نے جوڑا لپیٹتے' پگڑی پر سے گرد جھاڑتے ہوئے آواز دی: "رانو!"

رانو سامنے ہی بیٹھی تھی لیکن چونک پڑی۔ آج منگل نے پہلی بار اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔ وہ رانی بھی کہہ سکتا تھا لیکن "رانو!" ضرور کوئی بات تھی۔ رانو نے منگل کی طرف دیکھا جو اس کے پاس آکر اکڑوں بیٹھ گیا تھا جیسے کوئی بڑے راز کی بات کہنا چاہتا ہو۔

"سن رانو کمال ہو گیا' حد ہو گئی۔"

رانی اندر ہی اندر مسکرا رہی تھی' بولی: "پہلے تم کہہ لو' پھر مجھے بھی تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"کیا کہنا ہے؟"

"پہلے تم کہہ لو۔"

منگل کہنے ہی والا تھا کہ اس کی نگاہ بڑی پر جا پڑی جو دیوار کے پاس کھڑی تھی اور جس کی نگاہ باہر کی طرف تھی اور کان ماں باپ کی طرف۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے منگل بڑے پیار سے بولا: بیٹا! تو اندر جا۔"

بڑی' چھوٹی سی ہو کر اندر چلی گئی۔ منگل بولا:

"جاتریوں میں ایک لڑکا آیا ہے' پچیس چھبیس برس کا گبھرو جوان۔ ڈیکے کے متصدی

کا بیٹا۔ زمینیں' مکان' دکانیں' جائداد ـــــ"

رانی کے چہرے کی چمک ماند پڑ گئی اور وہ کہہ اٹھی: "تب تو وہ۔"

ارے تو سن تو" منگل بولا: "وہ کہتا ہے میں شادی کروں گا تو بڑی سے' دنیا کی اور کسی لڑکی سے نہیں۔"

"نہیں!۔" رانو نے ایک دم سب کام چھوڑ دیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"تیری قسم" منگل نے کہا' اور اس نے آج پہلی بار رانو کی قسم کھائی تھی۔ رانی کی سانس تیز ہونے لگی۔ گھبرے میں اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی:

"اس نے بڑی کو دیکھا ہے؟"

"ضرور دیکھا ہو گا۔ شاید نہ بھی دیکھا ہو۔"

"نہ دیکھا' نہ ملا' پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیا معلوم؟" منگل بولا: "گاؤں کے پنچ بھی یہی چاہتے ہیں' اور تو تو جانتی ہے "پنچوں میں پرمیشر ہوتا ہے۔"

"ہاں۔" رانی مان گئی "پنچوں میں پرمیشر نہ ہوتا تو میں آج کہاں ہوتی؟"

کچھ شہ پاتے ہوئے منگل جاری ہوا: "وہ سب کہتے ہیں' تیری بیٹی راج کرے گی' رانی بنے گی۔ مطلب' تم ایسی رانی نہیں' وہ ـــــــ وہ جو اصلی ہوتی ہے۔"

یہ سب کچھ رانی کے لئے ناقابل برداشت ہو رہا تھا لیکن منگل کہے جا رہا تھا: "وہ کچھ لینے دینے میں بھی نہیں۔ الٹا سختی سے انکار کرتا ہے۔" اور پھر ایکا ایکی کسی خیال کے آنے سے وہ کہہ اٹھا: "اس کا یہ مطلب نہیں' میں کچھ دوں گا نہیں۔ مجھ سے جو ہو گا' دوں گا اپنی بیٹی کو' پیچھے تھوڑی رکھ لوں گا۔"

"اپنی بیٹی!" رانو کے کانوں کو یقین نہ آرہا تھا۔

"میں تو اس کے لئے بک جاؤں گا رانو!" منگل نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "چاہے اس کے لئے مجھے اکا اور یکی کیوں نہ بیچنے پڑیں۔"

جب ہی منگل کو کچھ یاد آیا: "تم بھی کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"کچھ نہیں۔" رانو بولی: "سرا دائی کو بلوا دو۔ مجھے ابھی سے اس کے ساتھ بات پکی

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

کرنی ہے۔"

سرا دائی ؟ " منگل نے ہرایا اور پھر آنکھیں پھیلاتے ہوئے رانی کی طرف دیکھنے لگا اور بولا: "سچ ؟"

رانی نے خفیف سا سر ہلایا اور مسکراتے' شرماتے ہوئے پرے دیکھنے لگی۔

اسی دم چنوں' چاچی پورو' بھابھی ودیا' جانکی' سروپو' چھوٹی رانی چنڈی ——— عورتوں کا ایک غول کا غول اندر چلا آیا' تالیاں بجاتا' شور مچاتا' ناچتا گاتا ہوا:

"چوڑے والی بانہہ کڈھ کے
منڈا موہ لیا تویتاں والا "
(چوڑے والی بانہہ دکھا کر تعویزوں والا لڑکا موہ لیا —!)

"دمڑی دا ، سک مل کے
منڈا موہ لیا تویتاں والا "
(دمڑی کی چھال ہونٹوں پہ مل کے تعویذوں والا لڑکا موہ لیا!)

منگل نے انھیں چپ کرانے کے لئے ہاتھ اوپر کیا: "چنوں چاچی!"

پورن دئی نے آگے بڑھ کر زور سے منگل کو ایک دھکا دیا اور بولی: "جا وے جا' بڑا آیا ہے "

" نیگریڑا " (دولھا) چنوں نے بھی دھکا دیا۔

"دفان ہو جا۔" ودیا بولی: "تیرا یہاں عورتوں میں کیا کام؟ "

بے حیا پورو بولی: تیرا جو کام تھا تو نے کر دیا۔ اب جا' اکا چلا!" اور پھر رانو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"لڑکا پیدا کرنا ری۔ ایک اور مصیبت نہ کھڑی کر لینا۔"

اور بھی عورتیں اندر آنے اور منگل کو دھکے دے دے کر باہر نکالنے لگیں۔ رانو منگل کو بچاتے ہوئے رو بھی رہی تھی اور ہنس بھی رہی تھی: "ہائے' ہائے نی' ریڑیو! ہائے نی' میرا مرد۔ نی بس کرو" ہائے مار ہی ڈالو گی؟" اور منگل سر کو بازوؤں میں دے کر اپنی عزت بچاتا ہوا' لحہ بہ لحہ دروازے کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور چلا رہا تھا: "چاچی' چنوں! چنوں! جاتا ہوں' میں جاتا ہوں۔ میری توبہ' میرے باپ کی توبہ " اور وہ گرتا پڑتا' پگڑی سنبھالتا

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

ہوا باہر نکل گیا ———

اب میدان عورتوں کے ہاتھ تھا۔ وہ رانی کی طرف بانہیں الار الار کے گا رہی تھیں' ناچ رہی تھیں:

"پودینے کی کرو کڑاہی رے
ہمارا اچھا کرارا پودینہ' ہو!
مسالوں والا پودینہ' ہو!"

اور وہ پاگل ہو رہی تھیں۔ ان کے گانے اور ناچ کی رفتار تھی کہ کم ہونے کے بجائے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ان کے شور میں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ اس پر بھی رانو نے پورو کو پرے لے جا کر کہہ ہی دیا:

"بدھائی ہو چاچی!"

"بدھائی کس بات کی؟" پورن دئی نے اپنی ڈھیلی ہوتی ہوئی دھوتی کو کستے ہوئے کہا:

"بڑی کے لئے بر مل گیا!"

بڑی جو دروازے میں کھڑی تھی' مرچ کی طرح لال ہو کر اندر سٹک گئی اور عورتیں' جن کی نظروں کے افق پر ہمیشہ دولھے رہتے ہیں اور نیچے دلہنیں' جن کے کان شہنائی کی آواز سننے کے لئے شہوانی' آنکھیں براتیں دیکھنے کی متمنی ہوتی ہیں' ایک دم بے خود اور پاگل ہو اٹھیں۔ ابھی سے انھیں بڑی کی برات دکھائی دینے لگی' باجے کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ انھوں نے تو یہ بھی نہ پوچھا' لڑکا کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ انھیں تو زرتار سہرے لگائے' سر پر کلغی سجائے' ہاتھ میں تلوار لئے' گھوڑی پر چڑھا ہوا دولھا نظر آرہا تھا اور ساتھ جانوروں' بندروں اور سوروں کی برات' جو پچھلے پرانوں میں سے ان کا جنم لوٹے جا رہی تھی اور اب وہ گا رہی تھیں:

" واڑ تھلے دو نمبو پکے
جیٹھ منگے ادھارے "
(باڑ کے نیچے دو لیمو پکے ہیں۔ جیٹھ ادھار مانگ رہا ہے!)

" نہ میں جیٹھا لے دیندی
نہ دیندی رکھوارے

"ڈنڈیاں نوں دل پے گیا ـــ جھمکے لین ہلارے"

(اے جیٹھ ! نہ میں مول دیتی ہوں' نہ رکھنے کے لئے۔ نازک بالیوں کو بل پڑ گیا ہے اور جھمکے جھولنے لگے ہیں)

ایک اور نے شروع کیا:

"سوہریا بدام رنگیا!
نوہاں گوریاں' پتر تیرے کالے"

(اے بادام کے رنگ والے سسر! تیری بہوئیں گوری ہیں (لیکن) بیٹے کالے)

وہ اپنے تصور میں دنیا بھر کی دلہنوں کو ان کی سسرال پہنچا چکی تھیں۔

اس شور کی وجہ سے دیوی ماں کے درشنوں کے لئے آئی ہوئی پوری پرکا منگل کے گھر کی طرف پلٹ پڑی۔ جیسے دیوی ماں مندر میں نہیں' وہاں ہے یا جیسے مندر وہاں چلا آیا ہے جہاں خلقت ہے۔ گیان چند سرپنچ' تارا سنگھ نمبردار' کیسر سنگھ' بگو' رلدو' دیوانا' کرمو' دُلا' جمالا سب آکر کھڑے ہوئے گئے۔ کوٹھے پر عورتوں کے ٹھٹ نظر آنے لگے' نیچے مردوں کے۔ اڑوس پڑوس اور باہر گاؤں کے لوگوں کے علاوہ سرا وائی بھی آئی تھی جو ساری دنیا کو دنیا میں لائی تھی اور اب اوروں کو بھی لانا چاہتی تھی۔

جہلم کی تینوں بیٹیاں' عناتی' عائشہ اور سلامتی بھی چلی آئیں۔ ساتھ جہلم کے بڑے بھائی کا لڑکا بھی تھا مولو! جس کے بے خود' بے بس اشاروں کی طرف دیکھ کر سلامتی شرما رہی تھی' برما رہی تھی۔ پھر نواب کی بیوی' عائشہ' گورو داس کی گن وتی' سب اگلی پچھلی کدورتیں بھول کر اس لمحے میں کھو کھو گئیں۔

پورو اور ودیا نے رانی کو بھی بیچ میں گھسیٹ لیا۔ ان سب کے درمیان ڈبو پاگل ہوا گھوم رہا تھا۔ اِسے اُسے' سب کو سونگھ رہا تھا' بے تحاشا دم ہلا رہا تھا۔ رانو کچھ احتیاط' کچھ بے احتیاطی سے ناچ رہی تھی۔ اس کے گلبرے کی شلوار معلوم ہوتا تھا کوڑیالے رنگ کا کوئی سانپ ہے جو لپٹتا' بل کھاتا ہوا اوپر ہی اوپر جا رہا ہے۔ رانو' جس کا مصیبت میں دبا ہوا حسن آج تک کسی نے نہ دیکھا تھا' پھانٹوں والے کرتے کے بیچ سے آنکھیں مارنے' چندھیانے' خیرہ کرنے لگا' جیسے کوئی شیطان بچہ ہاتھ میں آئینہ لئے آتے جاتوں پر سورج کی روشنی کا عکس لپکائے' ان کی آنکھیں چندھیائے' بار بار اندھا کئے جائے۔

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

ناچتی ہوئی عورتوں کی نگاہوں میں دنیا ایک وسیع و عریض دائرہ بن گئی جس کے بیچ مرد' عورتیں' بچے' بوڑھے صرف خاکے تھے۔ پھر وہ بھی رنگ کے بڑے بڑے چھینٹوں اور دھبوں میں بدل گئے' اور آخر ایک ہی رنگ رہ گیا ـــــ سورج کی کرنوں کا رنگ' جس میں سب ہی رنگ چھپے رہتے ہیں اور الگ الگ پہچانے جانے کے لئے انسان کے دماغی منشور کے محتاج و منتظر۔

باہر کچھ اور ہی شور مچا اور یہ غول کا غول' جھرمٹ کا جھرمٹ کئی نئے رنگ پیدا کرتا' ایک دوسرے پر گرتا پڑتا دروازے پر' کوٹھوں کی منڈیروں پر' کنویں کے من پر پہنچ گیا۔

یہ جاتری لوگ تھے جو سر جھکائے دیوی کی بھینٹیں گاتے ہوئے آرہے تھے۔ ڈھولک پیٹتے' چمٹے بجاتے ہوئے دیوی ماں کی استتی گا رہے تھے۔ وہ سب کے سب اپنے گناہوں کا کفارہ کرنے چلے آئے تھے: گناہ جو ہو چکے تھے' گناہ جو ہو رہے ہیں' گناہ جو ہونے والے ہیں۔

وہ ناچ رہے تھے' گا رہے تھے۔

"ماتا رانی دے دربار' جوتاں جگدیاں
میا رانی . . . .
ہے میا! تُسیں تے بھیناں گوریاں
سر لال پھلاں دیاں جوڑیاں
ماتا رانی دے دربار' جوتاں جگدیاں"

پھر منظر کھلا اور سب نے دیکھا چوہدری مہربان داس اور اس کا بھائی گھنشام سات سال کی قید کاٹ کر آرہے تھے۔ شور مچاتے اور حال کھیلتے جاتریوں کے پیچھے بھیڑ میں ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی' کمریں سجدوں سے دوہری اور کان توبہ اور شرم سے لال۔ صدیوں کے خشوع اور خضوع کے بعد اب ان کے ہونٹوں پر چپ چلی آئی تھی اور ان کی یہ چپ داستانیں کہہ رہی تھی۔

اور ان سب کے بیچ ایک لڑکا تھا' پچیس چھبیس برس کا گبھرو جوان' خوب صورت جو اس وقت بڑے آرام' بڑے پیار' بڑی ہی محبت اور عقیدت سے دیوی ماں کی بھینٹیں گا رہا تھا۔ اسے دیکھ دیکھ کر لوگ حیران ہو رہے تھے۔ سب کے ہونٹوں پر ایک ہی سوال تھا'

نگاہوں میں ایک ہی تجسس۔ اتنی چھوٹی عمر میں اس لڑکے نے کون سا گناہ کیا تھا؟ شاید اس نے گناہ نہیں، گناہ نے اسے کیا تھا۔

جب ہی بھیڑ کو چیرتا، دھکے دیتا، دھکے کھاتا ہوا منگل رانی کے پاس چلا آیا اور اسے کندھے سے پکڑ کر، جھنجھوڑتا ہوا بولا: "رانو! وہ ہے ——— وہ ہے لڑکا۔" اور اس نے بھینٹیں گاتے ہوئے لڑکے کی طرف انگلی اٹھائی۔

رانو نے دور سے اس خوب صورت لڑکے کی طرف دیکھا اور اس کی نگاہوں میں سوئمبر رچ گئے۔ من ہی من میں اس نے بڑی کی بانہوں کے ہار اس کے گلے میں پہنا دیے اور خود امر بیل بنی اس سے لپٹ لپٹ گئی۔ اتنا جوان، اتنا جبیلا گبھرو نہ ملا ہو گا کسی ماں کی بچی کو۔ محبت کے جوش میں دیوانی ہوتی ہوئی رانی نے پاس کھڑی چنوں کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور زور سے اسے بھینچتے، اس کی چیں بلاتے ہوئے بولی:

"ہائے نی چنوں، میں تو پار ہو گئی ———"

بڑی بھی عورتوں کے جھرمٹ میں سے سر نکال نکال کر لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔ آپا دھاپی کی اس بھیڑ نے اس کی سب شرموں کو چھپا لیا تھا، لہو پورے بدن سے کھنچ کر اس کے منہ کو آنے لگا تھا۔ وہی لہو سلامتی کے چہرے سے غائب ہو گیا اور وہ اپنی بڑی بہن سے کہنے لگی۔ "آپاں! گھر چل۔ میں تو تھک گئی۔"

اور رانی بچوں کی طرح اسے سب کو اپنا کھلونا دکھا رہی تھی: "دیکھا چاچی؟ تو بھی دیکھ۔ دیکھ چنڈیئے، رنڈیئے، لاجو ———"

پورو چاچی نے دیکھا، وریا نے جانچا، چنڈی نے تولا، لاجو، جاکی، کی، اور رانی سب کی طرف دیکھتی، سر جھٹکتی ہوئی بولی: "ہے نا؟"

جب ہی رانی کی نظروں کی کڑی ٹوٹ گئی۔ اس نے دیکھا چنوں کے چہرے کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا تھا۔ اسی بے بہارے توڑیے کے پھول کی طرح۔ رانی نے ایک تیز سی نظر اس پہ ڈالتے ہوئے کہا: ہائے نی؟" اور پھر اسی نظر سے لڑکے کی طرف دیکھنے لگی جو اب تک قریب آ چکا تھا اور نظروں کی جھولیاں پھیلائے، ہاتھ جوڑے رانی سے کوئی بھیک مانگ رہا تھا۔ رانی نے ایک دم سانس اوپر کھینچی: "میں مر گئی!"

سانس باہر آنے سے پہلے، رانی کے چہرے کی سرخی صاف اور سامنے پر لگا کر اڑتی

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com

ہوئی نظر آئی اور وہ روئی کی طرح سفید ہو گئی۔ پہلے ہاتھ کانپے، پھر پورے کا پورا بدن تشنج ہو گیا اور وہ لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: "وہی ——— یہ تو وہی ہے، جس نے میرے ———"

رانی اس ناگہانی صدمے سے بے ہوش ہو کر گرنے ہی والی تھی کہ صدیوں کے سترگ سے سفید اور سرانگندہ حضور سنگھ کہیں سے گرتا پڑتا چلا آیا اور قریب کھڑی جنداں بوڑی سے بے پرواہ ہو کر اس نے رانی کو گرنے سے تھام لیا۔ آج اس کی آنکھیں جوہڑ پر نہانے والے کبوتروں کی طرح پھڑپھڑانے کی بجائے پورے پر تول رہی تھیں۔ شاہین صفت، بلند آشیانوں کی طرف اڑ رہی تھیں۔

"بہو" اس نے لرزتے کانپتے ہوئے ہونٹوں کے بیچ سے کہا: "تو کسے روتی ہے؟ میری طرف دیکھ، جس نے بیٹا دیا ہے، ہمیشہ بیٹا دیا ہے، جب کہیں جا کے ایک بیٹا پایا ہے۔"

اور پھر بہو رانی کی روح کو پالینے کے جتن میں بڈھا حضور سنگھ خود کہیں کھو گیا۔ اس کی آنکھوں کی گنگا جمنا، اس کی داڑھی کے جنگل بیلوں میں گم ہو رہی تھیں۔ تلوکے کی موت کے بعد آج تک اس کے ہاتھ، کسی نہ ہاتھ آنے والی چیز کی تلاش میں کھپ گئے تھے، آواز گلے میں کانپتی رہ گئی تھی:

"نیوں لبنے لال گواچ
مٹی نہ پھول جوگیا - - -"

(جوگی! بے کار خاک مت چھان۔ لال جو ایک بار کھو گئے سو کھو گئے۔ اب وہ تجھے نہیں ملیں گے۔ ہاں، لال کے بدلے تجھے لال مل جائیں گے، ہیرے مل جائیں گے، موتی پنے، پر وہ لال؟ ——— نہیں)

جب ہی تو حضور سنگھ کی آنکھیں اس دنیا کے رشتوں اور بندھنوں میں کہیں رل گئی تھیں اور نظارے اس کی بے بسی پر رو رہے تھے۔ اب وہ خود نظارہ تھا اور خود ہی ناظر، آپ تماشا اور آپ ہی تماشائی۔ اس کے سر پہ گیروے رنگ کی پگڑی بندھی تھی جس کے پیچ کھل کھل جاتے تھے۔ اس وقت پلو سے وہ اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں اور ریک سی ناک پونچھتا ہوا کوئی جوگی، کوئی رمتا رام معلوم ہو رہا تھا۔ وہ دنیا کو چھوڑ رہا تھا، پر دنیا اسے نہیں چھوڑ رہی تھی ——— آج موت کے دروازے پہ کھڑے اسے کوئی دید درشنی مل گئی اور

وہ دیکھنے لگا تھا۔ جنم' مرن اور بیچ میں ایک رانی بہو' جو شادی کے روز' ایکا ایکی کہیں کتم عدم سے معرض وجود میں چلی آتی ہے اور پھلکاری کے پیچھے سے اپنی کلیروں سے انی لال لال چوڑیوں سے پٹی' گوری گوری بانہیں نکالتی' چھنکاتی ہے' مہندی کی خوشبو سے بوجھل ہاتھ جوڑتی' گھونگھٹ کی اوٹ سے' نیم نگاہی کی زبان میں منتیں کرتی اپنے سسر سے کہتی ہے:

"پتا مہ! تو اپنا ایک یہ بیٹا دے دے مجھے۔ میں اس کے بدلے تجھے دس دوں گی۔ اسی کی شکل میں' اسی کی عقل میں۔" اور پتامہ کہتا ہے: "ہاں ہاں بیٹی! پر یہ بیٹا میرا ------؟" اور پھر وہ آنسو پونچھتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے۔

رانی کے لانبے لانبے کیش' حضور سنگھ کی انگلیوں سے اڈنے والی شفقت کے سیل میں نہا رہے تھے' چھینٹے اڑا رہے تھے۔ آج اسے اپنے کھوئے ہوئے باپ کی جگہ کوئی آسانی باپ مل گیا تھا۔ اسی لئے ہر قسم کے رکھ رکھاؤ سے بے نیاز' وہ بار بار اپنا سر اس کی چھاتی پہ پٹخ رہی تھی اور کہہ رہی تھی: "نہیں ------ میں باپو' یہ نہ ہوگا۔ ہائے میری بیٹی! میں مر جاؤں گی باپو ------"

اس وقت پرکما کے لئے آئی ہوئی ساری خلقت تھم چکی تھی اور رکے ہوئے سانسوں سے ایک عظیم فیصلے کا انتظار کر رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا رانی ہاں کہے گی تو دنیائیں بس جائیں گی اور نہ کہے گی تو پرلے (قیامت) آجائے گی --- مہا پرلے جس میں کیا انسان اور کیا حیوان' کیا پشو اور کیا پنچھی' کیا دھرتی اور کیا آکاش' سب ناش ہو جائیں گے۔ نبے کے پاس کوئی نوح نہ رہے گا اور خدا کے پاس کوئی زمین۔ شبد میں جھنکار نہ رہے گی' جیوتی میں پرکاش نہ رہے گا۔ اور بیچ پر مشیور سامنے کھڑے ہاتھ اٹھا اٹھا کر کوئی دعائیں مانگ رہے تھے اور ان کی دعاؤں میں یہ سیدھا سادا' معصوم منگل بھی شامل ہو گیا تھا۔

جب ہی رانی کو دلاسا دیتے ہوئے حضور سنگھ بولا: "بٹا! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ اسے تو نہیں جانتی' نہ میں جانتا ہو' نہ یہ لوگ جانتے ہیں۔ تو اسے سمجھنے کی کوشش بھی مت کر۔ ایک چپ' یہاں تو دم مارنے کی جگہ نہیں۔"

رانی نے مڑ کر دیکھا' بڑی کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی:
"ماں! تو یہ کیا کر رہی ہے؟ تو نہ بولی تو میں بن بیاہی دھرتی کی طرح بانجھ رہ جاؤں گی۔"

رانی نے سسر کے کاندھے پر سے سر اٹھایا اور بولی: "اچھا باپو' اچھا۔"

ایک دم بینٹنیں شروع ہو گئیں۔ لوگ پورے جوش و خروش کے ساتھ گانے بجانے' شور مچانے لگے' جن کے بیچ رانی نے اوپر' مندر کی طرف دیکھا۔ سنہرے کلسوں سے دیوی کا طلائی تبسم منعکس ہو کر رانی کے چہرے پر پڑ رہا تھا اور اسے منور کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں رات ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا۔ اس پہ بھی ایک تیز' چکا چوند کر دینے والی روشنی جو جھپک جھپک کر' لپک لپک کر رانی کی طرف آ رہی تھی اور جس نے پوری طرح سے اس کے بدن کا احاطہ کر لیا تھا۔ اسی دم مندر میں گھنٹیوں کا غوغا مچا' مسجد سے اذان بلند ہوئی اور جہاں کلس تھے وہاں اندھیرے میں کسی کے ہاتھ پھیلے اور گردن لٹکتی ہوئی نظر آئی۔

ایک ڈر تھا' اور ایک بھی' جن میں سنسناتی ہوئی رانو نے اپنے دونوں ہاتھ کلسوں کی طرف اٹھا دیئے اور روتی دھوتی' لرزتی کانپتی ہوئی بولی:

"ماں! ہے دیوی ماں!"

جب ہی ودیا نے پورو کی کمر میں ٹھوکا دیا: "انئے پورو! سب ہی آئے' ایک تیرا دھرم داس نہیں آیا؟"

اور پورو جھوٹ موٹ روتی ہوئی اپنے شمبھو کے حرامی باپ کا ماتم کرنے لگی!

Scanned by iqbalmt@ oneurdu.com